ششماہی

علوم القرآن

ادارۂ علوم القرآن

سر سید نگر ۔ علی گڑھ

ادارہ علوم القرآن

سے

تعاون کی مختلف صورتیں

۱۔ **معاونین خصوصی** ہندوستان سے مبلغ پانچ ہزار روپئے اور بیرون ہند سے سات سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ادارہ کے سرپرست متصور ہوں گے۔ ادارہ ان کی خدمت میں اپنی تمام مطبوعات پیش کرتا رہے گا۔

۲۔ **معاونین تاحیات** ہندوستان سے مبلغ تین ہزار روپئے اور بیرون ہند سے پانچ سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ادارہ کے تاحیات معاون ہوں گے۔ ادارہ ان کی خدمت میں اپنی تمام مطبوعات پیش کرتا رہے گا۔

۳۔ **معاونین مجلہ** ہندوستان سے مبلغ ایک ہزار روپئے اور بیرون ہند سے تین سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ششماہی علوم القرآن کے معاون ہوں گے۔ ان کی خدمت میں مجلہ پیش کیا جاتا رہے گا۔

۴۔ **عام معاونین** اس کے علاوہ صاحب خیر حضرات جو بھی تعاون کریں گے ادارہ اس کے لیے شکر گذار ہوگا۔

چک اور ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں۔

Idara-e-Uloom-ul-Quran
A/c No. 7886
Central Bank of India
Dodhpur Aligarh 202002

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ علوم القرآن کا ترجمان

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ

جلد نمبر ۱۱ جنوری - دسمبر ۱۹۹۶ء • شعبان ۱۴۱۶ھ - رمضان ۱۴۱۷ھ شمارہ ۱، ۲

ادارہ علوم القرآن
پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

مقالہ نگاروں سے التماس:

۱۔ مقالہ قرآنیات سے متعلق اور غیر مطبوعہ ہونا چاہیے۔

۲۔ مقالہ صاف، خوشخط اور صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔

۳۔ مقالہ فل اسکیپ سائز کے بیس صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

۴۔ حواشی و مراجع مقالہ کے آخر میں دیے جائیں۔

۵۔ مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں۔ مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سنہ اشاعت، جلد یا جزء اور صفحات۔

۶۔ بہتر ہوگا کہ مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات کا انگریزی یا کم از کم اردو خلاصہ ضرور ارسال فرمائیں۔

مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

زرِ تعاون

ممالک	ایک سال	دو سال	تین سال	پانچ سال
ہندوستان	۴۰، روپے	۷۵، روپے	۱۱۰، روپے	۱۷۵، روپے
پاکستان و بنگلہ دیش	۶۵، روپے	۱۲۵، روپے	۱۸۰، روپے	۳۰۰، روپے
دیگر ممالک	۱۵، امریکی ڈالر	۲۵، ڈالر	۴۰، ڈالر	۶۵، ڈالر

فی شمارہ بیس (۲۰) روپے

طابع و ناشر سلطان احمد اصلاحی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر ادارہ علوم القرآن پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ سے شائع کیا۔

محتویات

شرکاء کا تعارف

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی	سکریٹری ادارہ علوم القرآن و ریڈر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ
جناب عودہ ابو عودہ	ممتاز محقق
پروفیسر مسعود الرحمن خاں ندوی	شعبہ دراسات ایشیا، غربی، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ
حکیم الطاف احمد اعظمی	صدر، ڈپارٹمنٹ آف ہسٹری آف میڈیسن اینڈ سائنس، جامعہ ہمدرد نئی دہلی
مولانا محمد عمر اسلم اصلاحی	استاذ، مدرستہ الاصلاح سرائمیر، اعظم گڑھ
مولانا محمد سعود عالم قاسمی	ناظم، دینیات سنّی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی	لکچرر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

ظفر الاسلام اصلاحی

وہ شخصیات کتنی عظیم، بابرکت و قابلِ قدر ہوتی ہیں جنھیں قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ ہو، جن کی علمی مصروفیات کا محور قرآنی علوم و معارف کی اشاعت ہو اور جن کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اسی کتابِ ہدایت کی خدمت میں بسر ہو۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ جنھوں نے سات دہائی سے زیادہ کا عرصہ قرآن کریم کی خدمت میں صرف کر کے ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا بجا طور پر ایسی نادر شخصیات کے زمرہ میں شامل کیے جانے کے مستحق ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس عظیم دانشگاہ (مدرسۃ الاصلاح) کے نامور فرزند تھے جس کا اختصاص قرآنِ مجید کی محققانہ تعلیم اور جس کی بنیادی غرض وغایت طلبہ میں قرآن و سنت سے گہری وابستگی پیدا کرنا ہے۔ وہ خاص طور سے قرآنیات کے اس چمنستان کے خوشہ چیں تھے جنھیں دنیا مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نام نامی سے جانتی اور ترجمان القرآن کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ یہ مولانا مرحوم کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں اس بابرکت شخصیت کی خصوصی تربیت نصیب ہوئی جن کی ذاتی زندگی قرآن و حدیث کی تعلیمات میں رچی بسی ہوئی تھی اور جن کی زبان و قلم ہمیشہ انہی کی تعبیر و تشریح و ترجمانی میں مشغول و منہمک رہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اعظم گڑھ کے ایک معروف گاؤں بمہور میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ گاؤں کی ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا شبلی متکلم ندویؒ کی تحریک پر ۱۹۱۴ء میں مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں وہاں کی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ طالب علمی کے دوران ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان کے جوہر نکھارنے

میں ان کے دو استادوں مولانا شبلی متکلم ندویؒ و مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندویؒ کا سب سے زیادہ حصہ رہا ہے اور ان اساتذہ کے فیضِ صحبت کا ان کے یہاں خصوصی ذکر ملتا ہے۔ علم حدیث کے میدان میں محدث شہیر و عظیم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ سے استفادہ سے ان کی صلاحیتوں کو مزید جِلا ملی۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد ڈھائی، تین سال کا عرصہ صحافت کے میدان میں گذرا۔ اس دوران وہ مدینہ، بجنور اور سچ اخبار لکھنؤ کے ادارتی امور میں معاونت کے فرائض انجام دیتے رہے اور مضامین بھی لکھتے رہے ۱۹۲۵ء میں مولانا فراہیؒ کی ایما پر صحافت کی مصروفیات کو تیاگ کر مدرسہ پر چلے آئے، یہاں تدریسی مشغلہ کے علاوہ مولانا فراہیؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ تقریباً ۵، ۶ سال تک انھوں نے اپنے ہم سبق مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کے ساتھ استاد گرامی کے درسِ قرآن سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور عربی زبان و ادب اور بلاغت و معانی اور جدید فلسفہ کے میدان میں بھی ان سے کسبِ فیض کیا۔ خود مولانا فراہیؒ کی خصوصی عنایت و توجہ ان دونوں شاگردوں پر رہی، ان کی تربیت بالخصوص اُن میں قرآن فہمی کی صلاحیت اُجاگر کرنے میں استاد والاصفات نے گہری دلچسپی لی جس کے اثرات قرآن سے گہرے شغف، اس میں تدبر و تفکر میں مستقل انہماک اور قرآن فہمی کے ذوق و شوق کی شکل میں بہت ہی واضح طور پر ان کی شخصیت و علمی زندگی میں نمایاں ہوئے۔ مولانا فراہیؒ کے اِن دونوں ارشد تلامذہ نے اپنے استاد کے تشکیل کردہ خطوط پر مدرستہ الاصلاح کی توسیع و ترقی کے لئے جو وقیع خدمت انجام دی اور اس کی علمی فضا کو پروان چڑھانے بالخصوص طلبہ و اساتذہ میں قرآنی ذوق کی نشوونما اور ان کے ذہن و دماغ میں قرآنی فکر کے نفوذ و رسوخ کے لئے انھوں نے جو انتھک کوشش کی وہ مدرسہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ عہد طالب علمی کے بعد مولانا اصلاحی تقریباً ۱۸ برس (۱۹۲۵ء - ۱۹۴۳ء) مدرسہ سے وابستہ رہے۔ اس دَوران مولانا فراہی سے کسبِ فیض کے علاوہ درس و تدریس، طلبہ کی تربیت، ترجمہ و تصنیف، خطابت و ادارت، جیسے مختلف مشاغل جاری رہے۔ ان سے یقیناً مولانا کی شخصیت کو نکھار اور ان کی علمی استعداد کو وسعت و استحکام ملا اور ان کی آئندہ علمی

وتحقیقی کاوشوں کے لئے مضبوط اساس فراہم ہوگئی۔

فکر فراہی کی اشاعت اور مسودات فراہی کی تصحیح وطباعت کے اہتمام کے لئے جب ۱۹۳۵ء میں دائرۂ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا تو مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور مولانا اختر احسن اصلاحیؒ اس کے روح رواں رہے۔ مسودات کی تصحیح وترتیب ان کے رفیقِ درس کے سپرد ہوئی اور دائرہ کے کاموں کی عمومی نگرانی، مولانا فراہیؒ کی عربی مطبوعات کا اردو ترجمہ اور دائرہ کے ترجمان ماہنامہ "الاصلاح" کی ادارت خود ان کی ذمہ داری قرار پائی۔ استاد گرامی کی عربی کتابوں کو اُردو میں منتقل کرکے مولانا اصلاحی نے اردو داں طبقہ کو قرآنیات کے ایک اہم ذخیرہ سے استفادہ کا موقع بہم پہونچایا۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑی قرآنی خدمت ہے۔ "الاصلاح" بھی قرآنیات کے ساتھ مخصوص تھا، گرچہ یہ مجلہ محض چار سال (۱۹۳۶-۱۹۳۹ء) تک جاری رہا لیکن اس مختصر مدت میں جو مضامین، مقالات وتبصرے اس میں شائع ہوئے وہ معیار ومواد کے اعتبار سے دینی وعلمی لٹریچر کا ایک قیمتی سرمایہ کہے جا سکتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت اس کے قرآنی مقالات کا مجموعہ ہے جو ادارہ علوم القرآن سے شائع ہوکر اہل علم سے شرفِ قبولیت پا چکا ہے۔ اپنی تحریروں وتقریروں کے ذریعہ مولانا اصلاحی نے نہ صرف یہ کہ فکر فراہی کی بہترین تشریح وترجمانی کی بلکہ اسے اپنی زندگی کے مشن کے طور پر اپنایا اور سچ یہ ہے کہ "صاحب فکر" کے شاگردِ رشید ہونے کا حق ادا کردیا۔ ۱۹۵۸ء میں مولانا اختر احسن اصلاحیؒ کے انتقال کے بعد مولانا اصلاحی نہ صرف فکر فراہی کے امین بلکہ اس کے سب سے بڑے شارح وترجمان بھی تسلیم کیے جاتے رہے واقعہ یہ ہے کہ آج ہند وبیرونِ ہند اہل علم کا ایک اچھا خاصا طبقہ مولانا اصلاحی کے دروس، کتب ومضامین کے توسط سے ہی مولانا فراہی کی شخصیت، ان کے مخصوص منہج، تفسیر اور قرآنی علوم کے میدان میں ان کے عظیم الشان کارناموں سے متعارف ہو سکا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ مرحوم دین کا درد رکھتے تھے اور دعوتِ دین کے جذبہ سے سرشار تھے۔ مدرسۃ الاصلاح سے وابستگی کے زمانہ سے ہی اصلاحِ معاشرہ کے

کاموں میں (جو مدرسہ کے بنیادی مقاصد میں شامل تھے) نہایت سرگرمی سے شریک رہے مدرسہ پر دوران قیام ہی میں وہ نامور اسلامی مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مذہبی وسیاسی افکار اور دعوتِ دین کے لئے ان کے تشکیل کردہ پروگرام سے متعارف ہوئے اور اگست ۱۹۴۱ء میں جب جماعتِ اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس میں شمولیت اختیار کی۔ بانیِ جماعت نے تحریکِ اسلامی کے میدان میں ان کی صلاحیتوں کو بخوبی بھانپ لیا تھا۔ اس لئے انھیں نہ صرف جماعت کے رکنِ رکین کا مقام ملا بلکہ نائب امیر اور قائم مقام امیر کی ذمہ داریاں بھی سپرد ہوئیں۔ مولانا مودودیؒ کے طلب پر وہ ۱۹۴۲ء میں جماعت کے صدر دفتر دارالاسلام پٹھان کوٹ منتقل ہو گئے اس کے بعد بھی وطن آنے جانے کا سلسلہ برابر قائم رہا لیکن تقسیم ہند کے بعد یہ ممکن نہ رہا اور انھوں نے مستقلاً پاکستان میں سکونت اختیار کر لی اور جب جماعت کا مرکز لاہور منتقل ہوا تو یہی شہر ان کا مسکن بن گیا۔ وہ مولانا مودودیؒ کی قیادت میں جماعت کی سرگرمیوں میں پوری توجہ و تندہی سے شریک رہے۔ امیر محترم کے ساتھ انھوں نے ڈیڑھ دو سال (۱۹۵۳ - ۱۹۵۵ء) قید و بند کی زندگی بھی گذاری۔ لیکن جماعت اسلامی سے ان کی گہری وابستگی اور مولانا مودودی کی دیرینہ رفاقت اس وقت ختم ہو گئی جب انتخابی سیاست میں جماعت کی شرکت اور بعض دوسرے مسائل پر ان سے اختلاف کی وجہ سے انھوں نے جنوری ۱۹۵۸ء میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

مولانا امین احسن اصلاحی تقریباً ۱۶، ۱۷ برس جماعت اسلامی کے کاموں میں پوری طرح مصروف رہے لیکن اس دوران بھی قرآن کریم میں تدبر و تفکر کا سلسلہ جاری رہا اور جب بھی انھیں کچھ موقع ملا تو اپنے بنیادی کام (تفسیر قرآن) کے لئے یکسو ہو گئے۔ ایامِ اسیری میں انھوں نے "تدبر قرآن" کی تالیف کا خاکہ مرتب کیا اور اس نہج پر کام کا آغاز کیا۔ ان سب کے علاوہ اہم بات یہ کہ تحریک اسلامی کے کاموں میں وہ بنیادی رہنمائی قرآن ہی سے حاصل کرتے رہے اس موضوع پر ان کی معروف کتاب "دعوتِ دین اور اس کا طریق کار" اسی حقیقت کی غماز ہے۔ اسی طرح جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد بھی دعوت دین کے کاموں سے ان کی دلچسپی بدستور

برقرار رہی اور اس فریضہ کو وہ مختلف طریقوں سے انجام دیتے رہے۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ قرآنی احکام و تعلیمات کی تشریح و ترجمانی، قرآن و حدیث کے دروس و خطبات کے توسط سے لوگوں کا ان سے تعلق مضبوط کرنے کی کوشش اور جدید تعلیم سے بہرہ مند لوگوں کی دینی تعلیم و تربیت اسی نوع کی سرگرمیوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ توجہ انھوں نے تفسیر (تدبر قرآن) لکھنے پر صرف کی۔ اس کی اولین قسطیں "المنبر" (لائل پور) میں شائع ہوئیں اور جب جون ۱۹۵۹ء سے انھوں نے "میثاق" کے نام سے خود اپنا رسالہ جاری کیا تو تفسیر کی قسط وار اشاعت کے علاوہ یہی رسالہ ان کی تمام تحقیقات و تخلیقات اور دینی و دعوتی سرگرمیوں کا ترجمان بن گیا یہ سلسلہ ۱۹۶۶ء تک جاری رہا یہاں تک کہ بعض مسائل کی وجہ سے مولانا نے اس کی ادارت و اشاعت اپنے ایک قدیم رفیق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے حوالہ کر دی۔ باقاعدہ کتابی صورت میں تفسیر کی طباعت ۱۹۶۷ء سے شروع ہوئی اور ۸ جلدوں میں اس کی پہلی اشاعت فاران فاؤنڈیشن، لاہور سے ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوئی، بعد میں اس کے ایڈیشن نو جلدوں میں نکلے اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں تاج کمپنی، دہلی سے بھی یہ تفسیر شائع ہو چکی ہے۔ مختلف موضوعات پر مولانا مرحوم کی دو درجن سے زائد کتابیں اور سینکڑوں مقالات و مضامین شائع ہو کر دینی و علمی حلقوں میں مقبولیت کے مقام تک پہنچے لیکن تصنیفی و تالیفی میدان میں "تدبر قرآن" کو بجا طور پر ان کا سب سے عظیم الشان کارنامہ یا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ جدید دور کی اردو تفاسیر میں اسے ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے ان دینی و علمی حلقوں میں بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جہاں مولانا اپنی بعض تفسیری آراء کی وجہ ہدفِ تنقید بنے ہیں۔ قرآن کے پیغام کو ہر ممکنہ وضاحت کے ساتھ عصری اسلوب میں پیش کرنے، قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنے اور جدید ذہن کو اس کتابِ ہدایت سے قریب لانے کے اعتبار سے اس

تفسیر کی اہمیت و افادیت کا عام طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔

جامعیت، زبان کی سلاست، انداز بیان کی جدت و دل کشی اور آیات کے معنی و مفہوم کی وضاحت میں انتہائی شرح و بسط کے علاوہ تدبر قرآن کا خاص امتیاز نظم قرآن کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے۔ مولانا مرحوم کے استاد گرامی مولانا فراہی تفسیر قرآن کے باب میں نظم قرآن کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فہم قرآن کی راہ میں وہ اس کے کلیدی کردار کے قائل تھے۔ وہ اس فکر کے پرزور داعی تھے کہ قرآن کریم شروع سے آخر تک بلحاظ سورہ اور بلحاظ آیات بھی ایک مرتب، مربوط و منظم کلام ہے۔ ہر سورہ میں ایک مرکزی مضمون (عمود) پایا جاتا ہے اور سورہ کی تمام آیات اس مرکزی مضمون کی توضیح و تشریح کرتی ہیں اور باہم دگر اس طرح مربوط ہیں کہ ہر سورہ ایک مکمل وحدت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ہر سورہ کا ماقبل و مابعد کی سورہ سے ایک فطری ربط و مناسبت ہے اور تمام سورتیں مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں کہ پورا قرآن ایک وحدت بن جاتا ہے۔ مولانا فراہیؒ کا خیال تھا کہ نظم کے اس اصول کی روشنی میں قرآن میں غور و خوض سے اس کے گنجینۂ معارف و حکم تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ اسی نہج پر انھوں نے عربی زبان تفسیر لکھنی شروع کی تھی جسے وہ مکمل نہ کر سکے۔ ان کے شاگرد رشید نے "تدبر قرآن" میں نظم قرآن کے اصول کو پوری طرح برت کر ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ جس خوش اسلوبی سے انھوں نے یہ اہم و مشکل کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا وہ بلاشبہ قرآن کریم میں ایک طویل عرصہ تک تدبر و تفکر، فن تفسیر و قرآنی علوم میں مہارت، قرآنیات سے ان کے گہرے شغف اور ترجمان القرآن مولانا فراہیؒ سے بھرپور استفادہ کی واضح دلیل ہے۔ تدبر قرآن کو اپنی گوناگوں خصوصیات کے باعث بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ ۱۹۸۳ء میں پروفیسر مستنصر میر نے مشی گن یونیورسٹی (امریکہ) سے اس تفسیر پر پی، ایچ ڈی مکمل کی۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ Coherence in the Quran-A Study of Islahi s concept of Nazm in Tadabbur-i-Quran کے نام سے امریکن ٹرسٹ پبلیکیشنز

انڈیاناپولس INDIANAPOLIS (انڈیانا، امریکہ) سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوچکا ہے۔ مزید برآں ہندو بیرون ہند کی بعض جدید جامعات میں اس وقت بھی تدبر قرآن پر ریسرچ کا کام جاری ہے اور میری اپنی معلومات کے مطابق بعض تحقیقی مقالے تکمیل کے مرحلہ میں ہیں۔

"تدبر قرآن" کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی کی مطبوعہ تصانیف میں درج ذیل خصوصی ذکر کی مستحق ہیں: حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ نماز، حقیقتِ تقویٰ، تزکیۂ نفس، تفہیم دین، دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار، مبادی تدبر قرآن، مبادی تدبر حدیث، اسلامی قانون کی تدوین، اسلامی ریاست، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام، پردہ اور قرآن، ذمیوں کے حقوق، شہریت کے حقوق اور فرائض، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں، مقالات اصلاحی (جلد اول)۔

ان کتابوں کے مختصر تعارف کی بھی یہاں گنجائش نہیں، لیکن اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس موضوع پر بھی مولانا نے قلم اٹھایا اس سے متعلق قرآنی فکر کی ترجمانی کو سب سے زیادہ اہمیت دیا۔ اور احادیثِ نبوی سے متعلق قرآنی تشریح کرکے اپنے مباحث کو مزید مستحکم و مدلل بنایا۔ صحافت سے بھی مولانا کا گہرا تعلق رہا ہے بلکہ ان کی عملی زندگی کا آغاز ہی اسی مشغلہ سے ہوا، اس میدان میں بھی ان کے جوہر خوب نمایاں ہوئے جیسا کہ مدینہ، سچ، الاصلاح، میثاق، تدبر، ترجمان القرآن معارف و الفرقان میں شائع شدہ ان کے اداریے، مضامین و تبصرے اس کے شاہد ہیں۔ اس ضمن میں بھی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان کی صحافتی، ادارتی و مقالہ نگاری کی صلاحیتیں خاص طور سے قرآن و حدیث کے مباحث کی تشریح و ترجمانی، علمِ دین کی اشاعت اور دعوتِ دین کے کاموں میں صرف ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا اصلاحی مرحوم کو تحریر کے ساتھ درس و خطابت کا بھی بہترین ملکہ عطا کیا تھا اور یہ بھی دینی و علمی کاموں میں خوب استعمال ہوا۔ مولانا کی درس و تدریس کی مصروفیت مدرسۃ الاصلاح میں ۱۹۲۵ء میں شروع ہوئی تو کسی نہ کسی صورت میں آخر عمر تک جاری رہی۔ اسی طرح خطابت کے میدان میں ان کے جوہر

زمانۂ طالب علمی سے ظاہر ہوئے تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اور نمایاں ہوتے چلے گئے۔ مدرسہ کے مختلف پروگرام ترک موالات وخلافت تحریک کے جلسوں اور جماعت اسلامی کے اجتماعات میں ان کی تقریروں کی مقبولیت واثر آفرینی کا جو بیان ملتا ہے وہ ان کی شانِ خطابت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ انھوں نے بعد میں خاص طور سے قرآن وسنت کی روشنی میں نوجوانوں اور جدید ذہن رکھنے والوں کی ذہنی وفکری تعمیر اور لوگوں میں دینی جذبہ کی بیداری کے لئے اس خداداد صلاحیت سے کام لیا۔ اور ۱۹۶۰ء کے بعد اس کام پر زیادہ توجہ دی۔ تفسیر "تدبر قرآن" کی تالیف کے ساتھ یہ اہم کام بھی جاری رہا اور ۱۹۶۱ء میں باقاعدہ "حلقہ تدبر قرآن" قائم کرکے اسے مزید آگے بڑھایا۔ اس حلقہ کے تحت انھوں نے منتخب باصلاحیت وذی استعداد طلبہ کے لئے قرآن وحدیث کے درس اور عربی زبان کی تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ اس پروگرام کا خاص مقصد یہ تھا کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو دینی بصیرت کے ساتھ موجودہ حالات پر نظر رکھنے والے ہوں یا جدید دور کے تقاضوں کو سمجھنے کے ساتھ دینی علوم سے بھی بخوبی آراستہ ہوں۔ قرآنی خطوط پر ذہنی وفکری تعمیر اور افراد سازی کے اعتبار سے "حلقہ تدبر قرآن" کی سرگرمیاں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ چنانچہ ۱۹۸۰ء جب اس کو وسعت دے کر ایک مستقل ادارہ (ادارہ تدبر قرآن وحدیث) قائم کیا گیا تو اس ادارہ کے کاموں میں "حلقہ تدبر قرآن" کے تربیت یافتہ افراد ہی مولانا کے دست وبازو بنے۔ اس ادارہ کے تحت ایک طویل عرصہ تک مولانا کے ہفتہ وار درس کا سلسلہ جاری رہا۔ تدبر قرآن کی تکمیل کے بعد انھوں نے درس حدیث پر خاص توجہ دی اور اس کے لئے موطا امام مالکؒ اور صحیح بخاریؒ کو پیش نظر رکھا۔ اس پروگرام کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مختلف مشاغل سے وابستہ لوگ بالخصوص جدید تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں اس میں مشتاقانہ شریک ہوتے۔ گرچہ پیرانہ سالی اور اضمحلالِ قویٰ کے باعث مولانا کے درس کا سلسلہ ۱۹۹۳ء میں منقطع ہوگیا تھا لیکن ان کے خاص تلامذہ درس کا یہ مفید سلسلہ جاری رکھ کر ایک بہت بڑی دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس محنت ولگن اور پابندی کے ساتھ مولانا اصلاحی مرحومؒ

نے درس قرآن وحدیث کے سلسلہ میں سہا برس جاری رکھا اور اس کے ذریعہ عوام و خواص میں قرآن وسنت کے ساتھ وابستگی کی جو عمومی فضا تیار کی اور ہدایت کے ان بنیادی مآخذ سے لوگوں کا تعلق مضبوط کرنے کے لئے انھوں نے جو انتھک کوشش کی وہ یقیناً دین کی بہت بڑی خدمت ہے اور دعوت دین اور اصلاحِ معاشرہ کے کاموں سے ان کی گہری وابستگی کی روشن دلیل ہے۔ مزید براں ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے دائرہ کار میں اہم موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں علمی و تحقیقی کتب کی تیاری واشاعت اور ایک رسالہ کا اجرا بھی شامل رہا ہے۔ اس کے ترجمان ماہنامہ تدبر کی اشاعت ۱۹۸۱ء سے بدستور جاری ہے۔ مولانا فراہی کے افادات، مولانا اصلاحی کے مقالات، دروس کی تفصیلات اور ارکان ادارہ کی تحقیقات و نگارشات خاص طور سے اس رسالہ کی زینت بنتی رہی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ تدبر قرآن کی تکمیل کے بعد مولانا نے درسِ حدیث کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ادھر چند برسوں سے تدبر میں "تدبر حدیث" کے عنوان سے اس درس کی قسط وار اشاعت کا سلسلہ جاری ہے جو کافی اہمیت وافادیت رکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ طالب علمی و تدریسی، تصنیفی و تالیفی، صحافتی وادارتی، تحریکی و تذکیری ہر میدان میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی شخصیت نمایاں رہی ہے اور اس سے اہم یہ کہ انھوں نے ہر شعبۂ حیات میں قرآن وسنت سے اپنا تعلق مضبوط رکھا اور ان سے دوسروں کا تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ مدرسۃ الاصلاح سے فراغت کے بعد تقریباً ۵، سال تک وہ مختلف الجہات مصروفیات سے منسلک رہے لیکن ان سب میں قدر مشترک دین متین کی دعوت اور علوم اسلامیہ بالخصوص علم قرآن کی اشاعت تھی۔ ان کی علمی مصروفیات کا سب سے امتیازی وصف یہ رہا ہے کہ ہر مسئلہ و ہر معاملہ میں انھوں نے قرآنی فکر کی تشریح و ترجمانی کو مقدم رکھا اور اسی فکر کو عام کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دیا۔ اس طرح یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عمر عزیز کا تقریباً ۹۴ برس کا بیشتر حصہ کتاب الٰہی کی خدمت میں گذرا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور استاد گرامی کے فیض صحبت سے انھیں کتابِ عزیز سے جو

قربت نصیب ہوئی تو زندگی کے ہر موڑ پر اسی کو انھوں نے اپنا مشعلِ راہ بنایا اور آزمائشوں و فتنوں سے بھری اس دنیا میں اسی کو اپنا بہترین رفیق و مونس سمجھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اولاد واعزہ، تلامذہ و فیض یافتگان، مادرِ علمی و دائرہ حمیدیہ، کتب و رسائل، مضامین و مقالات، اداریے و تبصرے کی صورت میں بہت سی قیمتی یادگاریں چھوڑی ہیں لیکن ان سب کے علاوہ سب سے قیمتی چیز جو مولانا نے چھوڑی ہے وہ ان کی ذاتی و علمی زندگی کا یہ سبق ہے کہ قرآن و سنت سے تعلق کو مضبوط کیا جائے اور انہی کے زریں اصولوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری کیا جائے۔ درحقیقت یہی شاہراہ فوز و فلاح ہے، یہی وسیلۂ نجاتِ اخروی ہے اور یہی ذریعہ راحتِ ابدی ہے۔

[اللہ تعالیٰ مولانا اصلاحی مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، انھیں جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہم سب کو ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی]

ظفر الاسلام اصلاحی

۲۸-۳-۱۹۹۸ء

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے	پیسے
1- مجموعہ تفاسیر فراہی	264	00
2- حکمت قرآن	75	00

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

	روپے	پیسے
1- تدبر قرآن (9 جلد)	2376	00
(فی جلد)	264	00
2- مبادی تدبر قرآن	87	00
3- مبادی تدبر حدیث	72	00
4- حقیقت شرک و توحید	105	00
5- حقیقت نماز	45	00
6- حقیقت تقویٰ	45	00
7- تزکیہ نفس : جلد دوم	87	00
8- دعوت دین اور اس کا طریق کار	90	00
9- اسلامی قانون کی تدوین	60	00
10- اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	60	00
11- اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	87	00
12- قرآن میں پردے کے احکام	10	00
13- فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	90	00
14- تفہیم دین	72	00
15- مقالات اصلاحی ۔ جلد اول	114	00

فاران فاؤنڈیشن

122 - فیروز پور روڈ' اچھرہ' لاہور- 54600 - پاکستان

فون = 7595200

الکتاب اور القرآن کی اصطلاحی دلالت قرآن کریم میں

عودہ ابوعودہ

ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

قرآن شریف میں غور وفکر سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ الکتاب اور القرآن کے الفاظ کے استعمال میں دقیق فرق کرتا ہے، ہم معنی مترادف کلمات کے طور پر نہیں جیسے:

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ (الحجر: ۱)	یہ آیتیں الکتاب اور واضح قرآن کی ہیں۔
طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ۝ (النمل: ۱)	یہ آیتیں القرآن اور واضح کتاب کی ہیں۔
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۝ (الواقعہ: ۷۷-۷۸)	بے شک یہ قرآن کریم پوشیدہ کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔

ان جیسی آیات یقینی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ دونوں کلمات کی دلالت میں واضح فرق ہے اور وہ مترادف وہم معنی الفاظ نہیں ہیں، کوئی سمجھدار شخص ان کو مترادف سمجھ کر الکتاب کی جگہ القرآن یا اس کے برعکس پڑھنا گوارا نہیں کرے گا، اس سے نہ صرف فطرت انسانی ابا کرتی ہے بلکہ خود قرآن شریف بھی ایک ہی تسلسل میں بالکل ایک دوسرے کے مشابہ ہم معنی کلمات کبھی استعمال نہیں کرتا، واضح دلائل کی روشنی میں مجھے اس بات پر پورا انشراح ہے کہ قرآن شکل وصورت اور معنی ومثال میں ہر طرح کے ترادف سے خالی ہے ترادف کے معنی یہ ہیں کہ دو ہم معنی کلمات ہر سیاق وسباق میں ایک دوسرے

کی جگہ لے سکیں۔ لغوی بحثیں جب عمومی شکل میں عربی زبان کے اندر ترادف کے وجود کی منکر ہیں تو قرآن کے بارے میں یہ انہونی بات کیسے مانی جاسکتی ہے؟ ترادف ماہرین لغت کا قدیم وجدید زمانہ میں موضوع بحث رہا ہے، ان میں سے کوئی اس کے وجود کا منکر رہا ہے اور کوئی اس کا قائل اور ہر گروہ کے پاس اس کی رائے کی اپنی اپنی دلیل وحجت موجود ہے، اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی زبان اور اس کی ادبی نصوص میں اگرچہ محدود پیمانہ پر ترادف پایا جاتا ہے لیکن قرآن شریف میں بالکل نہیں، میں نے بھی اس موضوع پر اردن یونیورسٹی سے شائع ہونے والا رسالہ "المجلۃ الثقافیۃ" کے تیرہ وچودہ نمبر کے مشترک شمارہ ۱۹۸۷ء میں تفصیل سے بحث کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر ادباء کے کلام اور نصوص لغت میں ترادف کے وجود کو مان بھی لیا جائے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا کلام نہ منزل من اللہ ہے اور نہ اس کی کوئی تشریعی حیثیت کسی کے لئے لازم وواجب ہے، جہاں تک قرآن شریف کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں ایسی بات کسی ایسے شخص کے لئے سوچنا جو اس کی آیات کی فہم، ان کی اہمیت وقیمت اور غرض ومقصد نزول سے واقف ہو بہت بعید ہے۔ اس مقالہ میں بھی ہم اسی رائے کی روشنی میں الکتاب اور القرآن کے اصطلاحی مفاہیم میں فرق واختلاف کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

الکتاب:

قرآن کریم میں الکتاب کا کلمہ دوسو چھپن[۲۵۶] جگہ درج ذیل مفاہیم میں وارد ہوا ہے:

پہلا مفہوم: (ام الکتاب اور سابق آسمانی کتابیں)

وہ جامع وشامل کتاب جس میں اللہ عزوجل نے اس دنیا اور اس کی مخلوقات کے لئے اپنے حکم، امر وتدبیر اور قضا، وقدر وغیرہ کا ذکر ودیعت فرمایا ہے، اسی دلالت میں وہ تمام آسمانی کتب بھی شامل ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، درج ذیل آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں سے ہر

ایک پر اپنی ایک کتاب نازل فرمائی تھی جس میں اس کے مناسبِ حال تشریع تھی اور اس پر اس کی پابندی لازم و واجب تھی:

فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (النسا: ۵۴)	بے شک ہم نے ابراہیم کے خاندان میں الکتاب اور حکمت عطا کی ہے۔
وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ (البقرہ: ۸۷)	بے شک ہم نے موسیٰ کو الکتاب عطا کی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاۙ (مریم: ۳۰)	انھوں نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے مجھے الکتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب:

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (الکہف: ۲۷)	آپ کی طرف آپ کے رب کی وحی کی ہوئی کتاب میں سے تلاوت کیجئے۔

یہ آیات کریمہ اس الکتاب کی وحدت پر بھی دلالت کرتی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل پر وقتاً فوقتاً نازل فرمایا تھا، ان میں سے ہر کتاب اس کے زمانہ کے حالات کے مطابق شریعت پر مشتمل تھی اور ظاہر ہے کہ وہ ان مسلّمہ اصولوں پر بھی مشتمل ہوتی تھی جن کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین حنیف اسلام کو قائم فرمایا تھا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)	صحیح دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

اور ہر رسول و نبی نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے اپنی قوم کو ان کی طرف دعوت دی تھی، اگرچہ زمان و مکان کی تبدیلی کی وجہ سے ہر امت کی تشریع میں بعض فروعی مسائل اور اجتماعی فرائض و واجبات کا اختلاف ہوا کرتا تھا جو اس کے لئے خاص علیحدہ شریعت کے داعی

ہوتے تھے، مگر اس میں وہ مسلّمہ اصول و قواعد بھی ضروری شامل ہوتے تھے جو سابق و لاحق تمام امتوں کے لئے واجب التسلیم تھے جیسے صرف ایک اللہ کی عبادت، اس پر اور اس کے ملائکہ، کتب، رسل، قیامت کے دن، قضا و قدر اور بعث و حساب پر ایمان، نماز کا قیام، زکوٰۃ کی ادائیگی، رمضان کے روزے، اللہ کی طرف دعوت اور اسلامی اقدارِ عالیہ و اخلاق فاضلہ کی پابندی ہر آسمانی کتاب کے بنیادی اصول ہوا کرتے تھے۔ ہاں! ان سے مشتق فرائض و واجبات اور ان کے احکام کی تفصیل اللہ کی تقدیر و اندازہ کے مطابق ہر زمانہ کے حالات کے لحاظ سے ضرور ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے تھے جیسے بعض کھانوں کی ایک امت کے لئے حلت اور دوسری کے لئے حرمت، مصارف صدقات کی تقسیم کی کیفیت وغیرہ، خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور وضو کی متعین تفصیلات اور اجتماعی معاملات کے جو احکام بیان فرمائے، وہ سابق شریعتوں سے کسی حد تک مختلف تھے، سابق ادیان اس لئے نہیں کہتا کہ آسمانی دین تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جس کی تمام انبیاء نے دعوت دی، اسی سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ آسمانی کتابوں میں ایک دوسرے سے اخذ و اقتباس کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ اس کی انتہا اس کتاب پر ہوئی جو آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جیسے کہ قرآن شریف میں مذکور ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	ہم نے آپ پر حق کی حامل الکتاب
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	نازل کی جو سابقہ آسمانی کتابوں کی
مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	پر محیط ہے اس لئے آپ ان کے درمیان
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی بنیاد پر
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ	فیصلہ کریں اور آپ پر نازل حق کے
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا	خلاف ان کی خواہشات کی پیروی
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ	نہ کریں، تم میں سے ہر ایک (نبی) کی قوم

اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْمَآ اٰتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ (المائدہ : ۴۸)	کے حالات) کے مطابق ہم نے شریعت عطا کی اور راہ عمل مقرر کی جب کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت (کے دین) کا پابند کر دیتا لیکن (اس کی مرضی ہوئی کہ) تم کو اپنے عطا کردہ احکامات سے آزمائے، اس لئے بھلائیوں کے حصول کے لئے سبقت کرو کہ تم سب کو اللہ کی طرف واپس جانا ہے پھر وہ تم کو وہ باتیں بتائیگا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

گذشتہ صفحات میں ہر رسول اور اس کی امت کی علیحدہ شریعت و منہاج کے ایک ہی سرچشمہ سے ماخوذ و مقتبس ہونے کے مذکورہ بیان کی یہ آیت تائید کرتی ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا ہے کہ یہ آسمانی الکتاب جو تمام انبیاء ورسل کی کتابوں میں جلوہ گر نظر آتی ہے یہ ام الکتاب سے نازل ہوا کرتی ہے:

ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ (آل عمران : ۷)	اس ہی نے آپ پر الکتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں جو ام الکتاب سے ماخوذ ہیں اور دیگر آیات سابق کتب سے مشابہ ہیں۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَھُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّۃً ؕ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ۝ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ	ہم نے آپ سے پہلے جن رسولوں کو بھیجا تھا ان کو بھی آل و اولاد سے نوازا تھا اور کسی رسول کو بھی یہ حق نہ تھا کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکتا، (اللہ کا ہر وعدہ کتاب میں موجود ہے جس میں سے جس کو اللہ

وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد: ۳۸-۳۹)

چاہتا ہے مٹاتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الزخرف: ۱-۴)

قسم ہے اس واضح کتاب کی جس کو ہم نے عربی (زبان کا نادر المثال) قرآن بنایا کہ شاید تم (اس کو سوچو) سمجھو اور وہ بلند وبرتر حکمت والا (قرآن) بیشک ہمارے پاس ام الکتاب میں محفوظ ہے۔

یہ تمام آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ:

- تمام آسمانی کتابیں ایک اصل یعنی ام الکتاب سے نازل ہوئیں۔
- قرآن میں مذکور الکتاب اس تشریع اور قواعد و احکام پر بھی مشتمل ہوتی تھی جس کی ہر رسول نے اپنی امت کو دعوت دی۔
- ہر رسول نے اپنی رسالت کا فریضہ اسی طریقہ سے ادا کیا جس طرح اللہ نے اس کو حکم دیا تھا۔
- ہر رسول کی رسالت کے خاتمہ پر اس کے واسطہ سے نازل شریعت بھی ختم ہوگئی۔
- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کتاب قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے کہ آپ خاتم انبیاء و رسل ہیں اور آپ کی رسالت ہمیشہ جاری رہنے والی ہے۔
- اس لحاظ سے قرآن کریم میں نازل تشریع بھی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جس کی اتباع و پابندی تمام لوگوں پر تا قیام قیامت واجب و لازم رہے گی۔

دوسرا مفہوم: (لوگوں کا نامہ اعمال)

وہ کتاب جو لوگوں کے اقوال و اعمال کا شمار کرتی اور جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حساب و کتاب ہوگا، اس دلالت کا ذکر درج ذیل آیات میں آیا ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ

اور الکتاب پیش کی جائیگی تو اس میں موجود حساب کتاب سے تم مجرموں

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ	کو ڈر سے لرزتے ہوئے دیکھو گے اور
لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً	وہ کہیں گے: ہائے ہماری بربادی! یہ
اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا	الکتاب کیسی ہے کہ اس نے نہ کسی چھوٹی
مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ	بات کو چھوڑا ہے نہ بڑی کو مگر اس کو
رَبُّكَ اَحَدًا ؀	شمار کرلیا ہے؟ اور جو کچھ انھوں نے کیا
(الکہف: ۴۹)	تھا اس کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے
	اور آپ کا رب کسی پر ظلم و زیادتی نہیں
	کرتا۔
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ	کیا آپ کو نہیں معلوم کہ زمین و آسمان
مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ	میں جو کچھ ہے اس سب کو اللہ جانتا ہے،
ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي	یہ سب کچھ کتاب میں موجود ہے اور یہ
اللّٰهِ يَسِيْرٌ (الحج: ۷۰)	اللہ کے لئے آسان ہے۔
وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا	ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا
وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ	پابند نہیں کرتے اور ہمارے پاس ایسی
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ؀	کتاب ہے جو صرف سچ بولتی ہے اس
(المؤمنون: ۶۲)	لئے ان پر ظلم نہیں ہوگا۔
وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ	زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی،
رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ	الکتاب لائی جائیگی انبیاء اور گواہوں کو
بِالنَّـبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ	بلایا جائیگا پھر ان کے درمیان حق و
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ	انصاف سے فیصلہ ہوگا اور ان پر کوئی
(الزمر: ۶۹)	ظلم نہ ہوگا۔

تیسرا مفہوم: (امتوں کا نامۂ اعمال)

وہ کتاب جو ہر امت کا ریکارڈ رکھتی ہے اور جس کی طرف اس کو قیامت کے دن بلایا جائیگا

جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۷-۲۹)	اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت سزاوار ہے پھر جس دن قیامت قائم ہوگی تو اس دن باطل پرست خسارہ اٹھائیں گے، اس دن آپ ہر اُمت کو اہیبت سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھیں گے جب کہ اس کو اس کی کتاب کی طرف بلایا جائیگا اور کہا جائے گا کہ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا! یہ ہماری کتاب تمہارے خلاف سچ بولتی ہے، تم جو کچھ کرتے تھے ہم اس کو لکھواتے جاتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب جس کی طرف قیامت کے دن ہر امت کو بلایا جائیگا وہی الکتاب ہو جو اس کے لئے دنیا میں نازل ہوئی تھی اس لئے کہ جزا و سزا کا دارو مدار جنس عمل پر ہوتا ہے اور فیصلہ نافذ قانون کی دفعات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اور کیا پتہ کہ دوسری دلالت میں مذکور تمام لوگوں کا حساب کتاب رکھنے والی کتاب اور آئندہ چوتھی دلالت میں مذکور انفرادی نامۂ اعمال بھی وہی الکتاب ہو جو ہر نبی پر نازل ہوا کرتی تھی؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بہر حال اس بات پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کے اعمال و اقوال اور ان کی زندگی کے قوانین کو ایک ہی کتاب میں جمع کر دے جو آخر میں وہ ام الکتاب ثابت ہو جس پر اللہ عزوجل نے اپنی شریعت اور دین کو قائم فرمایا تھا۔

چوتھا مفہوم: (انفرادی نامۂ اعمال)

وہ کتاب جو دنیا کے ہر فرد کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور جس کے مطابق ہم میں سے ہر ایک کا حساب کتاب ہوگا۔ اس لئے کہ وہ ہمارے اقوال و اعمال کا کچا چٹھا ہے جس نے ہر

چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کر رکھا ہے، اس دلالت کی طرف درج ذیل آیات نشاندہی کرتی ہیں:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهُ فِيْ	ہر انسان کے گلے میں ہم نے اس کی
عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قسمت کا پٹہ ڈال دیا ہے جس کو قیامت
كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ○	کے دن کھلی کتاب کی صورت میں نکالیں
اِقْرَأْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ	گے (اور کہیں گے کہ) اپنی کتاب پڑھ لو
الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا	تو آج کے دن تم خود ہی اپنا حساب
(الاسراء: ۱۳-۱۴)	لینے کے لئے کافی ہو جاؤ گے۔

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتٰبَهٗ	جس کو اس کی کتاب داہنے ہاتھ
بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ	میں دی جائے گی تو وہ (خوشی سے)
اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ○ إِنِّيْ	کہے گا: لو! میری کتاب پڑھو! میں نے
ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ○	اس بات کا خیال رکھا تھا کہ میرا حساب
------ وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتٰبَهٗ	کتاب سے واسطہ پڑنے والا ہے....
بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ	اور جس کو اس کی کتاب بائیں ہاتھ میں
أُوْتَ كِتٰبِيَهْ ○ وَلَمْ	دی جائیگی تو وہ (حسرت سے) سے کہے گا
أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○	کاش مجھ کو میری کتاب نہ ملتی اور نہ مجھ کو
(الحاقہ: ۱۹-۲۹)	خبر ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے!

پانچواں مفہوم: (عام خط اور کتاب)

بعض آیات میں کتاب اس کے اصلی لغوی معنی یعنی لکھی ہوئی چیز جیسے خط یا کتاب کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے:

ملکہ سبا کے قصہ میں:

قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّيْٓ أُلْقِيَ إِلَيَّ	اس نے کہا: اے اہل دربار! مجھے ایک
كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ○ إِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ	قابل احترام خط ملا ہے جو سلیمان کی طرف
وَإِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل ۲۹-۳۰)	سے آیا ہے اور وہ یہ ہے:....

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ كِتَابٍ	اس سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ	پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ o	ورنہ باطل پرست یقیناً شک و شبہ
(العنکبوت:۴۸)	میں پڑتے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ قرآنی میں الکتاب سے وہ کتابیں مراد ہیں جن میں انبیاء و مرسلین پر اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے قواعد و احکام نازل ہوتے تھے۔ اور جہاں تک القرآن کا تعلق ہے تو اس سے وہ الٰہی تشریع مقصود ہوتی ہے جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اس زمین کے باشندوں پر قیامت تک کے لئے نافذ فرمایا ہے تاکہ وہ اس میں تفصیل مذکور قواعد و قوانین کے مطابق اپنے پروردگار کی عبادت کا حق ادا کریں، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل یہ کتاب دیگر آسمانی کتابوں سے اس معاملہ میں ممتاز ہے کہ وہ تشریعی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت معجزۂ محمدی بھی ہے، انبیاء سابقین کی کتابوں کا ان کے معجزات سے کوئی تعلق نہ تھا، ان کے معجزات کا تعلق ان کے معروف اقوال کے عملی وجود سے تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا سحر و جادو میں تفوق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کا طب و حکمت میں امتیاز، ان زمانی رسولوں کی تائید کرنے والے معجزات اور کتابیں ان کے عہد کے خاتمہ کے ساتھ خارج از میعاد ہوگئیں، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم رسالت دائمی ہے۔ اس لئے ان کی تشریع اور ان کے قرآنی معجزہ کا ہمیشہ باقی رہنا بھی لازمی اور ضروری ہے، یہ بات اللہ کے اپنی کریم کتاب اور عظیم قرآن کی حفاظت کی ضمانت کے وعدہ سے مزید یقینی ہوتی ہے۔ (الحجر:۹)

اس معنی میں قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معجزہ ہے جس کو اللہ نے متلو کتاب کی حیثیت سے جب نازل فرمایا تو اس کی زبان و بیان، نظم و ترتیب اور آیات سے اس کے مخاطبین مرعوب ہو جاتے تھے حالانکہ وہ خود اپنے زمانہ

میں فصاحت و بیان کے ماہر استاد سمجھے جاتے تھے، اسی لئے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کتاب کو قرآناً عربیاً (عربی زبان کا نادر المثال نمونہ) بنا دے تو ان کی قوم ان کی رسالت و پیغام کو جانے بوجھے، سوچے سمجھے اور تصدیق کرے، درج ذیل آیات کو غور و فکر اور تفکر و تدبر سے پڑھیں:

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ (یوسف: ۱-۲)	یہ واضح الکتاب کی آیتیں ہیں، ہم نے اس کو عربی (زبان کا نادر المثال نمونہ) قرآن بنا کر اتارا شاید کہ تم سمجھو بوجھو۔
حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ (زخرف: ۱-۳)	قسم ہے اس واضح کتاب کی جس کو ہم عربی (زبان کا بے نظیر نمونہ) قرآن بنایا شاید کہ تم سمجھو بوجھو۔
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ (حٰمٓ السجدہ: ۳)	وہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو عربی زبان کے قرآن میں الگ الگ تفصیل سے) ان لوگوں کے لئے بیان کیا گیا ہے جو جانتے ہیں۔

یہ آیات کریمہ واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم کتاب اللہ کی مقروء و متلو صورت ہے جس نے تشریعی باریکیوں کے کمال کو نظم و ترتیب اور زبان و بیان کے اعجاز کے ساتھ اپنے اندر اس طرح سمیٹ لیا ہے جو صرف اسی کا حصہ و امتیاز ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۞ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۞ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۞ (الرحمٰن: ۱-۴)	رحمٰن نے قرآن سکھلایا، انسان کو پیدا کیا پھر اس کو (فصیح و بلیغ زبان میں) بیان کی تعلیم دی۔

حاصل بحث کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ کہیں گے کہ قرآن مجید میں انسانی زندگی کی سیاسی و سماجی اور علمی و اقتصادی تمام ضروریات سے متعلق کامل تشریع کے

ساتھ ان علمی اور سائنسی حقائق کی طرف اشارات بھی ملتے ہیں جو انسان کے کائنات سے تعلق کو منظم و مربوط کرتے ہیں، یہ اس کا کمال ہے کہ وہ ان براہِ راست مقصود و غیر مقصود تمام موضوعات کو ایک محکم سیاق وسباق میں ممتاز نظم و ترتیب اور نادر المثال اسلوب بیان کے ساتھ جمع کر لینے کا کارنامہ انجام دیتا ہے جس کی تقلید نہیں کی جا سکتی۔ بادیُ النظر میں ایک متعین موضوع سے متعلق آیات پر اگر گہرائی و گیرائی سے غور کریں تو ان میں دیگر لاتعداد قیمتی دلالتیں بھی ملیں گی، مثال کے طور پر سورہ النساء کے اوائل میں میراث سے متعلق آیات پڑھیں تو ان میں میراث سے متعلق تفصیلی احکام کے علاوہ الٰہی تشریع میں مضمر اجتماعی اقدار اور انسان کے اپنی بیوی، بھائی، بہن، والدین وغیرہ سے تعلقات پر معلومات کا خزانہ بھی ہاتھ آئیگا۔

سورہ الانفال کے اصل مضامین جنگ و فتح، مالِ غنیمت کی تقسیم، قیدیوں کے ساتھ معاملہ، موت کا سامنا، مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات وغیرہ کے علاوہ زمین کی طبیعت و مزاج، سے متعلق علمی حقائق تک رسائی ہوگی:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً	اس نے تم پر پانی اتارا تاکہ اس سے تم
لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ	کو پاک کردے اور تم سے شیطان
رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ	کی نجاست دور کردے اور تمہارے
قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ	دلوں کو مضبوطی عطا کرکے (میدانِ
(الانفال: ۱۱)	کارزار میں) قدم جمادے۔

اس آیت میں میرے لئے یہ بات موجب حیرت تھی کہ بارش کے بعد مٹی پر قدم کیسے جمے ہوں گے؟ اس لئے کہ کیچڑ میں معمول کے مطابق پیر دھنسنے لگتے ہیں، لیکن عملی تجربہ سے ثابت ہوا کہ صحرا کی مٹی جو بدر کی زمین میں پائی جاتی تھی بارش کے بعد سخت ہو کر اطمینان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتی ہے گویا کہ وہ لوہا سمنٹ سے بنایا ہوا پختہ راستہ ہو۔

اسی طرح سورہ النبأ کی آیات پر غور کریں تو آپ کو بے شمار علمی و اجتماعی حقائق کے جواہر ریزے ایک دوسرے میں گتھے ہوئے ملیں گے جیسے کائنات، زمین و آسمان، سورج، انسان کی تخلیق، بارش کا نزول، نیند کی تفسیر اور جسم انسانی کی تشکیل میں اس کا اہم کردار وغیرہ۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن کریم کے تمام کلمات، آیات وسورتیں معجز ہیں اور اس کی بے نظیر محکم عمارت کے ہر ہر حرف وکلمہ اور آیت وسورت میں اللہ تعالیٰ کے ودیعت کئے ہوئے بے شمار معانی ودلالتیں پوشیدہ ہیں۔ اس لحاظ سے القرآن سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مقصود ہوتا ہے اور الکتاب سے ان کی تشریع مراد ہوتی ہے اور ان دونوں کو اللہ عزوجل نے ایک ہی کتاب یعنی قرآن میں جمع کر دیا ہے، یہ بات نہ کسی اور آسمانی کتاب میں موجود ہے نہ کسی اور الٰہی معجزہ میں، اس کی ایک وجہ عربی زبان کی خصوصیت اور عربوں کی قدرتِ بیانی بھی ہے جواب تک دیکھنے کو ملتی ہے۔

علمی ترقی اور وسائلِ علم کے تنوع کے اس دور میں کتاب اللہ اور اس کی طبیعت ومزاج کی یہ فہم وسمجھ ہم پر اسے لوگوں کے سامنے مناسب طریقہ پر پیش کرنے کی بڑی ذمہ داری عائد کرتی ہے، اب آیات قرآنی اور عصری علمی حقائق کے درمیان نو دریافت تائیدی ربط وتعلق پر صرف خوشی کا اظہار اور تعریف وتوصیف کافی نہیں ہے بلکہ قرآنی تشریع کے احکام کی افادیت سے لوگوں کو مطمئن کرنا اور ان مستحکم قواعد اور اصولوں کی دل لگتی شرح وتفسیر ضروری ہے جن پر قرآن کی بنیاد ہے، اسی ذیل میں کائنات میں موجود ان حقائق کی توضیح وتفسیر پر انسان کو غور وفکر کرنے کی دعوت بھی آتی ہے جن میں وہ آج زیادہ دقیق علمی معرفت کے ساتھ زندگی گذار رہا ہے۔ فی الوقت وہ علمی بحثیں کہاں دیکھنے کو ملتی ہیں جو انسان کے جسم اور اس میں جاری وساری پیچیدہ عملیات ومظاہر کی تفسیر پیش کریں کہ وہ کیسے سوچتا ہے؟ کیسے موجودہ باتیں یاد رکھتا ہے اور گذری ہوئی باتوں کی یاد کو دوبارہ دہراتا ہے؟ کیونکر بھوکا پیاسا ہوتا ہے اور پھر کیسے سیری حاصل کرتا ہے؟ مرض وشفا، خوشی وغم، نیند وبیداری، بڑھاپا وجوانی کا سلسلہ خود بخود کیسے جاری رہتا ہے؟ کیا یہ سب وہ علمی حقائق نہیں ہیں جن کی طرف قرآنی آیات میں عام اشارات ملتے ہیں؟ عام اشارات اس لئے کہ وہ مخصوص علمی کتاب نہیں کہ تفصیل ان علوم پر سیر حاصل بحث کرے بلکہ وہ ہمیشہ قائم وجاری رہنے والی تشریع ومعجزہ ہے، جسم انسانی سے صرف نظر کر کے کائنات کا مشاہدہ اور اس پر غور وفکر

کریں تو قرآن اپنے خاص انداز میں اس سے متعلق بھی حیرت انگیز علمی حقائق واشگاف کرتا ہے جیسے ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا تشکیل پانا، بارش کا ہونا، پہاڑوں کی تکوین، نباتات کا تنوع، زمین اور چاند و سورج کی حرکت وغیرہ بے شمار مظاہر قدرت ہیں جن کے بارے میں اب بھی انسان کا علم و واقفیت بہت کم ہے۔

جب لوگوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا تھا تو وہ بہترین امت کی حیثیت سے ابھرے تھے جو لوگوں کی بھلائی کے لئے سامنے آئی تھی اور اس نے لوگوں کے سامنے اللہ کی کتاب پیش کر کے مختلف امتوں میں اس کی نشر و اشاعت کی تھی اس لئے اب ہمارے لئے یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہم لوگوں کو اللہ کی کتاب سے مطمئن کریں کہ وہ صحیح دین کی حامل، پُر حکمت شریعت کی داعی اور رحم و کرم کی بارش کرنے والے قرآن کی مبلغ ہے تاکہ لوگ اس سے فیصلہ حاصل کریں، اس کے حلال کئے ہوئے کو حلال اور حرام کئے ہوئے کو حرام جانیں اور مانیں، اور اس کی بنیاد پر عادلانہ حکومت قائم کریں تاکہ وہ دنیا و آخرت میں ان کی کامیابی و کامرانی کا وسیلہ بنے، اور وہ اس بنیادی ذمہ داری کو ادا کریں جس کے لئے اللہ عزوجل نے ان کو تخلیق فرمایا تھا یعنی عام لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور تنہا اس کی عبادت کی دعوت دینا:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (العنکبوت: ۵۱)	کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر الکتاب اتاری جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ	ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان کیں، اور اگر آپ ان کے لئے کوئی اور نشانی بھی لائیں تو کافر یہی کہیں گے کہ تم لوگ باطل پر ہی ہو، اس طرح اللہ نہ جاننے والوں کے

عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ (الروم: ۵۸-۶۰)

دلوں پر مہر لگا دیتا ہے، لہٰذا آپ اپنے موقف پر جمے رہیں اس لئے کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، لہٰذا یقین نہ رکھنے والے لوگ آپ کو بے حیثیت نہ سمجھیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ (الانعام: ۱۰۳-۱۰۵)

یہی تمہارا رب ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کا خالق ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو کہ وہی ہر چیز کا کارساز ہے، اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھ والوں کو دیکھتا ہے اور وہ نہایت لطیف و باخبر ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مشاہدہ میں آنے والی نشانیاں آچکیں، اب جس نے ان کو دیکھ لیا تو اس کا فائدہ خود اس کو ہوگا اور جو اندھا بنا رہا تو اس کا نقصان بھی خود اس کو ہوگا۔ اور میں تم پر کوئی محافظ و نگراں نہیں ہوں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(ماہنامہ الأمۃ، عمان، اردن، جلد ۱، شمارہ ۱، جون ۱۹۹۷ء، ص ۵۶-۵۹)

وعلمك ما لم تكن تعلم

تلاش نظم کے لئے چند اہم اور ممد اشارات

ترتیب و ترجمہ: خالد مسعود

ہر کلام کے نظم کو، اور بالخصوص کلام وحی کے نظم کو، جاننے کے لئے خاص اصول ہیں مثلاً:

الف: ایک بات یا تو ایک ہی جملے میں ادا ہو جاتی ہے یا متعدد ایسے جملوں میں جن کا موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔

ب: بعد میں آنے والا جملہ پہلے آنے والے جملے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کے جڑے ہونے کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ یا تو بعد کا جملہ سابقہ جملہ کے موضوع میں مشترک ہوتا ہے یا اس کے کسی خاص جزو سے ملا ہوا ہوتا ہے یا اس کا موضوع پہلے جملہ کے موضوع کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

ج: بعد میں آنے والے جملے کا تعلق کبھی تو سابقہ جملہ کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس سے اوپر کے کسی جملہ یا مضمون سے مربوط ہو۔

ان اصولوں سے کئی چیزیں متفرع ہوتی ہیں، جن کو آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے۔

قرین پر غور

قران سے مراد دو کلمات یا دو اقوال کا ساتھ ساتھ آنا ہے، خواہ یہ حرف عطف کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔ اس طرح ساتھ ساتھ آنے والے الفاظ یا جملے ایک دوسرے

کے قرین کہلاتے ہیں۔ قرین کا پایا جانا مختلف معانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے، مثلاً:

الف: ایک قرین دوسرے کی وضاحت یا اس کے مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ متعدد صفات باری تعالیٰ اسی مقصد کے لئے ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ مثلاً: عزیز مقتدر (زبردست اور ہمہ گیر اقتدار والا) العزیز الجبار (غالب اور زور آور) عزیز ذو انتقام (غالب اور انتقام لینے والا)۔

کسی خاص صفت کے ساتھ کئی صفات کا بطور قرین آنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ وہ مختلف صفات ایک ہی جامع امر کے تحت ہیں۔ مثلاً عزیز کی صفت رحیم علیم، حکیم اور غفار کے ساتھ آئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صفت رحمت، حکمت، علم اور غفران ایک کی جامع صفت کے پرتو ہیں۔

ب۔ دو قرین کسی ایک معنی میں مشترک ہوتے ہیں۔ مثلاً فرمایا:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝	سورج اور چاند ایک حساب سے
وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝	گردش کرتے ہیں اور ستارے
(الرحمٰن: ۵-۶)	اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔

یہاں دو متصل جملوں میں 'بحسبان' اور 'یسجدان' کے الفاظ لا کر اس بات پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ یہ سب چیزیں خدا کے آگے مسخر بھی ہیں اور اس کی عبادت میں بھی لگی ہوئی ہیں۔ سورج اور چاند کا ایک معین نظام میں حرکت کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ وہ کسی حاکم کے تحت ہوں جس نے ان کو اس خدمت پر لگا رکھا ہو۔ لہٰذا یہ دونوں اس کی عبودیت میں ہیں۔ اور اس کے تخت شاہی کے آگے سربسجود رہتے ہیں۔ عالم جمادات کی ان دو واضح نشانیوں کے بعد عالم نباتات کے سجدہ کا ذکر کر کے متنبہ کر دیا کہ اسی طرح عالم حیوانات بھی خدا کے آگے سرنگوں رہتا ہے۔ اس مضمون کی وضاحت دوسری جگہ کر دی۔ فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ	کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ کے آگے
لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ	جھکتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں جو

فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ	آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں
وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ	ہیں اور سورج، چاند ستارے،
وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاس	پہاڑ، درخت، چوپائے اور لوگوں
(الحج: ۱۹)	میں سے بہتیرے۔

ج۔ ایک قرین جب دوسرے کے موافق ہوتا ہے تو اس کی تائید کرتا ہے اور غور کرنے پر ان کی مماثلت سمجھ میں آتی ہے۔ مثلاً مواسات یا انسانی ہمدردی کا ذکر ایک مقام پر نماز کے ساتھ آیا ہے اور دوسری جگہ ایمان باللہ یا ایمان بالآخرۃ کے ساتھ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نماز اور ایمان ایک ہی باب سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً فرمایا:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ	وہ جواب دیں گے، ہم نماز پڑھنے
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝	والوں میں سے نہیں تھے اور نہ
(المدثر: ۴۲-۴۳)	غریبوں کو کھلاتے ہی تھے۔
اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ	یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ	تھا اور نہ مسکینوں کو کھلانے پر
الْمِسْكِيْنِ (الحاقہ: ۳۲-۳۳)	لوگوں کو ابھارتا تھا۔
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ	دیکھا تم نے اس کو جو جزا و سزا کو
بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ	جھٹلاتا ہے۔ وہی ہے جو یتیم کو
يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ	دھکے دیتا ہے اور مسکینوں کو
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون: ۱-۳)	کھلانے پر نہیں ابھارتا۔

ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر ہم اس نتیجہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ، نماز اور مواسات، سب کا تعلق ایک ہی اصل سے ہے۔

اسی طرح عمل صالح کا ذکر کہیں ایمان کے قرین کی حیثیت سے ہوا ہے، کہیں تقویٰ کے قرین کی حیثیت سے، جس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان ایک ہی

شے ہیں۔ شرک کا ذکر شہادت زور (جھوٹی گواہی) کے ساتھ بھی ہوا اور زنا کے ساتھ بھی اس سے ان چیزوں کی ایک دوسرے کے ساتھ معنوی مناسبت واضح ہوتی ہے۔

اس اسلوب کی روشنی میں ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ دو قرینوں میں سے اگر ایک فنا ہوگا تو دوسرا قرین بھی باقی نہیں رہ سکتا اور ایک چیز اگر باقی رہے گی تو دوسری کو بھی باقی رکھنے کا باعث ہوگی۔ چنانچہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ساتھ ساتھ کرنے اور کبھی صلوٰۃ کو زکوٰۃ پر اور کبھی زکوٰۃ کو صلوٰۃ پر مقدم کرنے میں یہی مصلحت ملحوظ ہے۔ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک چیز فنا ہو جائے گی تو دوسری بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

قرآن ہمیں اس اسلوب کے ذریعے دو چیزوں کے اثرات کی مماثلت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ترک صلوٰۃ کے اثر کے حوالہ سے ترک زکوٰۃ کے اثر پر استدلال کیا اور ان لوگوں پر کفر کا حکم لگایا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے گی جب تک وہ نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرنے لگ جاتے۔

د۔ دو قرین کبھی ایک دوسرے کے مقابل کے طور پر بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اس طرح آئی ہیں۔ مثلاً العزیز الغفار (زبردست اور بخشنے والا) یا العزیز الرحیم (زبردست اور رحم کرنے والا) وغیرہ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ، اگرچہ ہمیں متضاد نظر آتی ہیں لیکن وہ سب ایک ہی امر کلی کے تحت ہیں۔

مختلف و متضاد چیزوں کو یکجا کر کے بیان کرنے کا ایک فائدہ ان کی حقیقت کو سمجھنا ہوتا ہے کیونکہ اشیا اپنے اضداد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہیں۔ نیز ایک شے اپنی ضد شے کی نفی کرتی ہے۔ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ متضاد امور کی تصریح کر دیتا ہے اور کبھی محض اشارہ کو کافی سمجھتا ہے۔ اس اصول پر قرآن نے صدقہ اور ربا کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی لیے ربا کا جو اثر آدمی پر پڑتا ہے، صدقہ کا اثر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چنانچہ ربا کے ضمن میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں
لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ	اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند
الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ	جس کو شیطان نے اپنی چھوت
مِنَ الْمَسِّ (البقرۃ: ۲۷۵)	سے پاگل بنا دیا ہو۔

اس کے برعکس صدقہ کا اثر حق پر دل کو جمائے رکھنا بتایا:

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ	اور ان لوگوں کے عمل کی تمثیل جو
اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ	اپنے مال اللہ کی رضا جوئی اور اپنے
اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	دلوں کو جمائے رکھنے کے لئے خرچ
(البقرۃ: ۲۶۵)	کرتے ہیں یوں ہے۔

ربا اور صدقہ کو ایک دوسرے کے ضد قرار دینے کے لئے موقع کلام میں اشارات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ربا پر اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا گیا جب کہ صدقہ کو اللہ کی رضا کا نام دیا گیا۔ پھر آیت ۲۷۶ میں دونوں کو مقابل رکھ کر فرمایا۔

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی	اللہ سود کو گھٹائے گا اور صدقات
الصَّدَقٰتِ (البقرۃ: ۲۷۶)	کو بڑھائے گا۔

اس طرح متضاد امور کو ساتھ ساتھ بیان کرنے کا مقصد اخلاق کی تعمیر اور دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔

۸۔ ساتھ ساتھ آنے والے دو جملوں میں تعلق علت اور نتیجہ کا بھی ہوتا ہے۔ کبھی علت پہلے بیان ہوتی ہے اور نتیجہ بعد میں، لیکن کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ جب دو امور کے درمیان یہ نسبت معلوم ہو جائے تو جب دونوں میں سے ایک کا ذکر کر دیا جائے تو دوسرے امر کی طرف رہنمائی خود بخود مل جاتی ہے۔ اس کی مثال کے لئے حسب ذیل آیات پر غور کرو۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ	تو جس نے سرکشی کی اور آخرت کے
الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ	بالمقابل دنیا کی زندگی کو ترجیح دی

الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۹﴾	اس کا ٹھکانا تو بس جہنم ہی بنے گی
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	اور وہ جو اپنے رب کے حضور پیشی
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۹﴾	سے ڈرا اور جس نے اپنے نفس کو
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۹﴾	خواہش کی پیروی سے روکا تو اس
(النازعات: ۳۷-۴۱)	کا ٹھکانا لاریب جنّت ہے۔

ان آیات میں سرکشی نتیجہ ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا اس کی علت۔ دوسری طرف رب کے آگے حاضری کا خوف علت ہے اور نفس کو خواہشات سے باز رکھنا اس کا نتیجہ۔ جب دو امور کے مابین یہ نسبتیں معلوم ہو گئیں تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں رہا کہ دنیا کو ترجیح دینے والا شخص ایک طرف لازماً سرکشی کی راہ اختیار کرے گا اور دوسری طرف اپنے رب سے بھی بے پروا ہو جائے گا۔ اس نتیجہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا شخص نفس کو خواہشات سے بچا نہیں سکتا۔ اس کے رویہ میں جب یہ اثر پایا جاتا ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس اثر کی علت بھی اس کے ہاں پائی جاتی ہے۔

و۔ لفظ اپنے لازم معانی پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا لازم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل کرے، کوئی چیز بے مقصد پیدا نہ کرے اور کمزور کو کوئی ایسا حکم نہ کرے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ جب تم کوئی لفظ پڑھو اور اس کے تمام لازم معانی کو بھی ذہن میں رکھو تو تم پر کلام کا ربط واضح ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی آیت:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ	کیا یہ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے
عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۹﴾	یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے
(محمد: ۲۴)	ہیں۔

میں جس غور کا ذکر ہے میرے نزدیک اس سے مراد الفاظ کے لازم معانی ہی پر غور کرنا ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری چیز وہ لازم مفہوم ہے جو کسی لفظ سے مترتب ہوتا ہو۔

مثلاً نعمت کے لیے شکر لازم ہے، مالک کے لئے عبادت لازم ہے۔ ایک قادر مطلق اور نعمت عطا کرنے والے مالک کا لازم حق ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس پر اعتماد و توکل کیا جائے۔ قرآن مجید میں اکثر دیکھو گے کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے بعد شرک کی قباحت بیان ہوتی ہے یا اس کی قدرت کاملہ کے بیان کے بعد شرک کا رد ہوتا ہے تو یہ انہی لازم مفاہیم کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

ن۔ جب کلام کے تمام حصوں میں وسیع ربط قائم کرنا ممکن ہو جس کے نتیجہ میں کوئی حصہ ربط سے محروم نہ رہتا ہو تو وہاں ربط کے ایسے پہلو مراد نہیں لینے چاہئیں جو قریب اور متصل حصوں کو تو مربوط کر دیتے ہوں لیکن اس بعید حصہ کو مربوط نہ کرتے ہوں جس کا مضمون پوری طرح چھایا ہوا ہو۔

اسی طرح مفہوم کے اس پہلو کو جس کے حق میں عبارت کے اندر کوئی دلیل موجود ہو کسی بھی ایسے پہلو پر ترجیح دی جائے گی جو صرف ایک مفروضہ ہو۔

علی ہذا القیاس، مفہوم کا وہ پہلو ترجیح پائے گا جس کی موافقت کتاب و سنت کی محکمات کے ساتھ ہو گی۔

اس مضمون کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

(۱)	يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو
	اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ	اور اسی کے تقرب کے طالب بنو اور
	الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ	اس کی راہ میں برابر سرگرم کار رہو
	لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ	تاکہ فلاح پاؤ۔ بے شک جن لوگوں
	كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي	نے کفر کیا اگر انہیں وہ سب کچھ
	الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ	حاصل ہو جائے، جو زمین میں ہے
	مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ	اور اس کے ساتھ اس کے برابر اور
	عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ	بھی تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر

مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (المائدہ: ۳۵-۳۶)
روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ سکیں تو بھی ان کا یہ فدیہ قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے بس ایک دردناک عذاب ہی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں: "رسول کی اطاعت میں جو نیکی کرو وہ قبول ہے اور بغیر اس کے عقل سے کرو قبول نہیں"۔ یہ کلام اپنی جگہ صحیح ہے لیکن جہاں تک لفظ وسیلہ کے مفہوم کا تعلق ہے اس تفسیر کا یہاں کوئی موقع نہیں۔ عمل کے صالح ہونے کے لئے لازم ہے کہ اس میں پیغمبر کی اطاعت پائی جائے۔ کیونکہ پیغمبر آتا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف دعوت دے اور اس کی وضاحت کرے، اس لئے یہاں دفع دخل مقدر کا کوئی موقع نہیں۔

آیت ما قبل اور ما بعد سے موافقت رکھنے والی تفسیر یہ ہے کہ بندے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے تقویٰ کو ایسے اعمال کے ذریعے ثابت کرے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والے ہوں۔ مثلاً قربانی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)
اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون بلکہ اس کو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

ما سبق آیات میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا جس میں قربانی اور تقویٰ کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ کی راہ میں جان کی قربانی دینے اور اس کے ذریعے فلاح پانے کا ذکر تھا۔ یہ ذکر اس ضمن میں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ کی راہ میں قتال سے انکار کر دیا تھا۔ جان اور مال کی قربانی کا تعلق جہاد اور ذبیحہ سے بالکل ظاہر ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر آگے فرمایا کہ جاھدوا فی سبیلہ پس آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اپنے تقویٰ کا ثبوت جہاد کر کے پیش کرو تو فلاح پاؤ گے۔ قربانی خواہ جان کی ہو یا مال کی، وہ فدیہ ہوتی

ہے۔ یہ مفہوم عربوں کے فہم سے بہت قریب تھا چنانچہ ان کے کسی شاعر کا شعر ہے:

نهين النفوس وهون النفوس عند الكريهة ابقى لها

(ہم جانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ گھمسان کے رن میں جانوں کو معمولی سمجھنا ان کی بقا کا ضامن ہوتا ہے)

فلاح کے مفہوم میں بقا شامل ہے اور فدیہ قربانی اور اس کے ذریعہ سے برکت کا معنی بھی اس میں شامل ہے لہذا جب فرمایا: لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (تاکہ تم فلاح پاؤ) تو اس کے بعد یہ وضاحت بھی کر دی کہ قیامت میں فدیہ کے طور پر دنیا بھر کی دولت پیش کی جائے گی تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہذا تمہارے لئے لازم ہے کہ دنیا میں صالح اعمال کے ذریعہ اپنا فدیہ پیش کرو۔

تم نے دیکھا کہ اس تفسیر کی بنیاد وسیع ربط پر ہے، اس کے حق میں عبادت کے اندر شہادتیں موجود ہیں، قرآن کے اندر اس مفہوم کے محکم شواہد پائے جاتے ہیں اور زبان اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) دوسری مثال سورہ انعام میں ہے۔ فرمایا۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا	اور یہ تیرے رب کی راہ ہے سیدھی
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ	ہم نے اپنی آیتیں تفصیل سے
يَّذَّكَّرُوْنَ ۝	بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے
(الانعام: ۱۲۶)	جو یاددہانی حاصل کریں۔

اس آیت کی تفسیر شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے یوں کی ہے:

"حکم برداری کرنی اور عقل کو دخل نہ دینا سیدھی راہ ہے۔"

اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں صراط مستقیم کی وضاحت توحید سے بکثرت کی گئی ہے۔ یہاں یہ کلام اسلام کو اللہ کے لئے خاص کرنے کے معنی میں آیا ہے اور اس اعتبار سے اللہ کی آیات پر یقین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے متصلاً پہلے یہ آیت آئی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ	اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ	ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے
اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ	کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا
ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا	چاہتا ہے اس کے سینہ کو بالکل
يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ	تنگ کر دیتا ہے گویا اسے آسمان
يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى	میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ہ	اللہ ناپاکی مسلط کر دیتا ہے ان
(الانعام: ۱۲۵)	لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو طاعت کی توفیق دیتا ہے تو ان کے سینے اس کے لئے کھول دیتا ہے چنانچہ وہ اللہ کی آیات سے فائدہ اٹھاتے اور ان کو یاد رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لانا چاہتے تو ان پر شیاطین کی نجاست پڑ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں ان کے دل حق سے پھر جاتے اور فاسد بدگمانیاں ان کو گمراہ کرتی ہیں چنانچہ ان کے دل قبول حق کے لئے تنگ ہو جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ یہ نہیں ہوتا کہ مومنین کی عقل معطل ہو جاتی ہو بلکہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی عقلیں سلامت روی سے کام کرنے لگتی ہیں۔ قَدْ فَصَّلْنَا سے آگے آیت کا آخری حصہ ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید میں ہے۔ اور قرآن کی محکمات اسی کی تائید کرتی ہیں:

(۲) اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ	کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ	کی بادشاہی ہے، وہی جس کو چاہے گا
لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ	سزا دے گا اور جس کو چاہے گا بخشے گا
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہ (المائدہ: ۴۰)	اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں:

"یہ اس پر فرمایا کہ کوئی تعجب نہ کرے کہ چور کو تھوڑی خطا پر بڑی سزا فرمائی"

یہ تفسیر صحیح نہیں۔ آیت کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک مطلق

ہے۔ وہ ظالموں کو عذاب دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی قدرت سے عذاب دیتا ہے اسی طرح اپنی قدرت ہی سے معاف کرتا ہے۔ یہ تفسیر نظم کلام کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت سے قبل چور کی سزا بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ اگر وہ اس گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا کہ جو شخص توبہ کے بعد اصلاح کر لے اس کی مغفرت میں کوئی مانع نہیں اور یہ خدا کی عین مشیت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر کسی کو انگلی اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا کام کرتا ہی نہیں جو ناحق یا خلاف عدل ہو اس لئے چور کی سزا پر اعتراض کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا جس کا جواب یہاں دیا جائے۔

زمانہ نزول

مختلف واقعات کے نظم کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں۔ نظم کے متلاشی کی ان پر نظر ہونی چاہیے۔ ان میں سے ایک پہلو ان واقعات کے زمانے کا قرب ہے۔ مثلاً دعوت کے ابتدائی زمانے کے واقعات اسی پہلو سے منظم ہیں اور ایک دوسرے سے ہٹ کر نہیں آتے۔ اسی طرح ہجرت کے موقع یا اس کے بعد کے واقعات ہیں۔ پھر مدینہ کی ریاست کے قیام یا فتح مکہ اور اس کے بعد کے زمانہ کے مسائل ہیں یہ سب معلوم و مشہور اور نمایاں ہیں۔ اسی زمانی بنیاد پر علمائے سلف نے مکی و مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے یا بعض مکی سورتوں کی آیات کو مدنی اور بعض مدنی سورتوں کی آیات کو مکی کہا ہے۔ انھوں نے اس سے زیادہ تقسیم نہیں کی۔ اگر انہی کے اصول پر مزید غور کیا جائے تو ابتدائی دعوت کے امور، ہجرت سے پہلے اور بعد، یا فتح مکہ سے پہلے اور بعد کے زمانہ کے واقعات بھی پوشیدہ نہیں رہتے۔ البتہ ایک زیادہ مخفی پہلو پھر بھی باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے مستقبل سے متعلق آیات کا نظم۔ قرآن مجید میں اس بات کے اشارات موجود ہیں کہ اس امت کو مستقبل میں کیا حالات درپیش ہوں گے۔ اور انھیں کس چیز کی حاجت ہوگی۔ صحابہ کرامؓ ان اشارات سے واقف

تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آنے والے واقعات میں ان کے مصداق بتایا کرتے تھے۔ ان اشارات کی نمایاں مثالیں سورہ ہود کی آخری آیات اور سورہ الحجرات میں موجود ہیں۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ واقعات جب تک سامنے نہ آجائیں اس وقت تک اشارات کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ قلب صافی رکھنے والوں کے سوا دوسرے لوگ ان کے پیش آنے پر آیات کی دلالت پر متنبہ ہو پاتے ہیں۔ قلب صافی رکھنے والے اپنے علم کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو لوگ ان کو جھٹلانے پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ ہود کی آخری آیات سربستہ راز رہیں۔ ان کے نظم پر جب تک غور نہ کیا جائے حقائق سے پردہ نہیں اٹھتا۔

موقع کلام

ایک اور چیز جو فہم نظام میں مدد دیتی ہے وہ موقع کلام کا تعین ہے۔ موقع کے تقاضا کی دلالت ظاہر مخفی طور پر خود کلام میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ اعلیٰ کی آیت: ۶ سنقرئك فلا تنسى (ہم تمہیں پڑھائیں گے تو تم نہیں بھولو گے) کے نظم کی طرف میری رہنمائی اس کے موقع پر غور کے بعد ہوئی۔ یہ اس وقت ممکن ہوا جب مجھے تسبیح کے مواقع کی طرف رہنمائی ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسبیح کرنے کا حکم ایک تو اس موقع پر دیا جاتا جب آپ اپنی تعلیم کا اثر دیکھتے۔ آپ صحابہ کرامؓ کے احوال پر نظر رکھا کرتے تھے۔ جب ان کو توقع کے مطابق پاتے تو اس پر آپ کے لئے شکر و حمد واجب ہوتی۔ اس کی مثال سورہ نصر میں موجود ہے۔ حسب ذیل آیت کا مضمون بھی یہی ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۔ اور خدائے عزیز و رحیم پر بھروسہ
الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۔ رکھو۔ اس خدا پر جو تمہیں دیکھتا
وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۔ ہے اس وقت جب تم اٹھتے ہو اور

(الشعراء ۲۱۷-۲۱۹) دیکھتا ہے تمہاری آمدو شد کو سجدہ کرنے والوں کے درمیان۔

اسی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی تسبیح کا حکم دیا گیا جب آپ صحابہؓ کو نماز پڑھتے اور انفاق کرتے دیکھتے۔ انھیں حضورؐ کی نصیحت سے اپنے اپنے مقدور کے مطابق فائدہ ہوتا اور ان کی کیفیت وہی ہوتی جس کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ — جیسے کھیتی ہو جس نے سوئی نکالی
فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَا — پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت
سْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ — ہوئی، پھر وہ اپنے تنا پر کھڑی ہو گئی
الزُّرَّاعَ (الفتح: ۲۹) — کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی۔

کبھی نبی صلی اللہ وسلم کو تسبیح اور نماز کا حکم اس موقع پر بھی دیا جاتا جب جھٹلانے والوں کی مخالفت کے نتیجہ میں آپ کو ملال ہوتا۔ اس کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی، صبر و ثبات، تسکین اور اپنے موافق لوگوں کی طرف رجوع کرنے کی تلقین ہوتا۔ متعدد سورتوں میں اس موقع و محل کی آیات آئی ہیں۔

سورۂ اعلیٰ کے زمانہ نزول میں یہ دونوں حالتیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں اس سورہ میں دو گروہوں کا ذکر ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اس چیز کا غلبہ تھا کہ مکذبین سے صرف نظر کر کے تلاوت قرآن اور نماز کے لئے اپنے آپ کو خالص کر لیں۔ لہٰذا آپ کو دونوں کام جمع کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی یہ کہ شکر ادا کرنے کے لئے تسبیح کریں، اللہ سے مدد طلب کریں اور لوگوں کو نصیحت بھی جاری رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں آپ کو تسلی دی کہ وہی ہادی اور کارساز ہے جو تمہاری دعوت کو مقبول بنائے گا اور تمہارا کام آسان کر دے گا کیونکہ وہی ہے جو مخلوق کو اس کی تقدیر کی طرف لے جاتا ہے۔ لوگوں میں سے بعض لوگ تمہاری یاددہانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور دوسرے اس سے پہلو تہی کریں گے۔ پس تم اللہ کے شکر گزار

بندے بن کر اپنے کام میں لگے رہو اور مخالفین کی مخالفت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی راہ پر چلتے رہو۔

فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ (الاعلیٰ: ۹) پس تم یاددہانی کرو اگر یاددہانی کچھ نفع پہنچائے۔

یعنی نہ ان کے پیچھے پڑو اور نہ انھیں بالکل چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہدایت یا محرومی اور فلاح یا بدبختی کی راہ اختیار کریں گے۔

اس طرح جب تم آیات کے ایک مجموعے کو غیر مربوط دیکھو گے اور بار بار اس پر غور کرو گے تو رب کے فضل سے کئی حقائق تک رہنمائی پاؤ گے اور بالآخر وہ مجموعہ آیات ایک تصویر کی طرح ابھر آئے گا۔ تب اس کا نظام تمام اجزاء سے مطابقت رکھتا ہوا تم دیکھ سکو گے۔

کلام کے موڑ

قرآن کا نظام بیشتر واضح ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں ربط کا پہلو مخفی ہوتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کلام نے دوسرا رخ اختیار کر لیا ہے۔ کلام کے یہ موڑ یا گرہیں نظام کے متلاشی کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کو لازماً متعین ہونا چاہیے، ان پر ڈیرے ڈالے جانے چاہئیں اور ان پر کامل تدبر کیا جانا چاہیے۔

نظام پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے کلام کے یہ موڑ ہی پریشان کرتے ہیں۔ جب ان مواقع پر آیات کا ربط واضح ہو جائے تو پوری سورہ کا نظم روشن ہو جاتا ہے۔

نظم صحیح تاویل کی کلید ہے۔ مختلف تاویلات کے درمیان یہی فیصلہ کن چیز ہے۔ لہذا یہ لازم ہے کہ نظم کے تعین میں کسی سرسری چیز پر قناعت نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہرگز کمزور نظام کا حامل ہو سکتا اور نہ ہی نظام سے خالی ہو سکتا ہے۔ امام رازیؒ نے صحیح کہا ہے کہ قرآن کے لطائف اس کے حسن نظام سے ہاتھ آتے ہیں۔

تدبر شمارہ نمبر ۵۲، ۵۳
جنوری، مئی ۱۹۹۶ء)

نظم قرآن

الطاف احمد اعظمی (علیگ)

راقم کے علم کی حد تک قرآن مجید واحد مذہبی کتاب ہے جس کے بارے میں یہ سوال اٹھا اور بار بار اٹھا کہ اس میں نظم و ترتیب ہے یا نہیں؟ قرآن مجید پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان میں سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ اس کی آیات میں نظم و ترتیب کا فقدان ہے دوسرے لفظوں میں وہ منتشر افکار و خیالات کا ایک مجموعہ ہے۔ اس کے اجزاء میں منفرد طور پر لفظی اور معنوی دلربائی تو ہے لیکن وہ حسن و زیبائی کہاں جو معنوی اعتبار سے منظم و مرتب کلام کا خاصہ ہے۔

اس خیال کا اظہار ان مستشرقین نے بھی کیا ہے جو پیغمبر اسلام کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں۔ کارلائل کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔ قرآن مجید کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ: تمام رورعایت کے باوجود ایک شخص کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے بالخصوص اس آدمی کے لئے جو مخالف ہے کہ قرآن کی تخلیق آسمان پر ہوئی ہے، دنیا کے لئے ایک بہترین نعمت کے طور پر، ایک عمدہ طرز پر لکھی ہوئی کتاب کی حیثیت سے، عمدہ چھوڑیئے محض ایک کتاب کی حیثیت سے، بلکہ وہ یہ ماننے کے لئے مجبور ہوگا کہ یہ بے ربط اور منتشر مضامین کا مجموعہ ہے۔ جہاں تک تحریر کا تعلق ہے وہ یقیناً ایک لکھی ہوئی کتاب ہے لیکن شاید دنیا کی سب سے خراب لکھی ہوئی کتاب۔

لیکن اسی کے ساتھ میں کہوں گا کہ یہ ناقابلِ فہم نہیں ہے ورنہ عرب اس سے اس درجہ محبت کیوں کرتے۔ جو چیز دل سے نکلتی ہے وہ دوسروں کے دل پر بھی اثر کرتی ہے۔ میرے نزدیک قرآن کی جو خوبی (Merit) ہے وہ اس کی اصلیت Genuine ness, ہے۔ وہ بلاشبہ سچائی اور نیک نیتی پر مبنی کتاب (Bonafide Book) ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہتوں نے اس کتاب کو مکروفریب (Juggleries) کا مجموعہ کہا ہے لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس قسم کے خیالات کو رد کر دیا جائے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ سنجیدہ (Sincere) رہے ہیں، کون ہمیشہ سنجیدہ رہتا ہے۔ لیکن میں ان ناقدوں سے اتفاق نہیں کر سکتا جو کہتے ہیں کہ انھوں نے دیدہ و دانستہ فریب کاری کی ہے اور اس قرآن کو ایک جعلی اور فریبی کی حیثیت سے لکھا ہے۔ جو شخص بھی قرآن مجید کو پڑھے گا وہ اس خیال کی نفی کرے گا۔

میرا خیال ہے کہ قرآن ایک عظیم ناتراشیدہ (Rude) روح کا غیر واضح اور پراگندہ جوش و خروش (Confused ferment) ہے، ناتربیت یافتہ جو کہ پڑھ بھی نہیں سکتا تھا لیکن پرجوش خیالات کو الفاظ کا قالب دینے کی شدید کوشش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے پاس خیالات کا ہجوم ہے۔ وہ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں کچھ زیادہ کہہ نہیں پاتے۔ جو معانی ان کے پاس تھے وہ کسی باضابطہ تالیف کی صورت میں نہیں ڈھل سکے۔ بس اسے افکار پریشاں کہہ سکتے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ حد درجہ بے نظمی اور بے ترتیبی کا شکار ہے۔ اسی لیے میں نے پہلے اسے سادہ لوحی (Stupidity) سے تعبیر کیا ہے لیکن فطری سادہ لوحی (Natural stupidity) ہی اسے کہا جائے گا۔ اور یہی قرآن کی خصوصیت ہے۔[1]

انیسویں صدی کے ایک مستشرق سر ولیم میور نے بھی اسی قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔ اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں اس نے لکھا ہے کہ:

"اس میں حد درجہ بے نظمی اور بے ترتیبی پائی جاتی ہے۔ مضامین ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہیں (Chaotic mingling of subjects) اس میں نہ زمانی ترتیب ہے اور نہ معنوی ترتیب۔ جو ٹکڑا مدینہ میں نازل ہوا وہ مکی ٹکڑے سے پہلے آگیا ہے۔ بعد کا قانون پہلے قانون کا ناسخ ہے یا اس میں ترمیم کرتا ہے، ابھی ایک بحث چل رہی ہے کہ اچانک ایک دوسرا جملہ ایسا آجاتا ہے جو موقع و محل کے لحاظ سے بالکل بے تعلق بلکہ اجنبی ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہمارے لئے یہ باور کرنا مشکل ہے کہ اس وقت قرآن مجید جس مرتب شکل میں ہے عہد نبوی میں بھی وہ اسی نظم و ترتیب سے تھا"[۲]۔

یہ مستشرقین کے خیالات ہیں جو قرآن مجید کو آسمانی کتاب نہیں مانتے بلکہ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اس رائے میں کچھ تو ان کے قومی و مذہبی تعصب کا دخل ہے اور کچھ یہ بھی کہ ان میں سے اکثر عربی زبان و ادب اور قرآن کے اسالیب کلام سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے اس لئے اگر ان کو قرآن مجید میں نظم و ترتیب کی کمی یا فقدان نظر آیا تو وہ قابل فہم ہے۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ بعض علماء اسلام بھی یہی خیال رکھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ مستشرقین کے برخلاف قرآن مجید کو کلام الہی مانتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ علوم و معارف کا گنج گرانمایہ اور ہدایت کا آخری معتبر وسیلہ ہے لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ قرآن مجید مختلف اسباب و حوادث اور احوال و حاجات کے تحت نازل ہوا ہے اس لئے اس میں نظم و ترتیب کا نہ ہونا کچھ تعجب خیز بات نہیں ہے اس کی مثال سمندر کی ہے جس میں بے شمار لولو او رمرجان پائے جاتے ہیں لیکن منتشر حالت میں۔

اس خیال کے حامل علماء میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام (م ۶۶۰ھ/۱۲۶۱ء) بھی تھے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "مناسبت ایک عمدہ علم ہے مگر ارتباط کلام کے حسن میں یہ بات شرط ہے کہ وہ کسی ایسے کلام کے پیچھے واقع ہو جو کہ متحد ہو اور اس کا

اول اس کے آخر سے ربط واتصال رکھتا ہو۔ لہٰذا اگر کلام کا وقوع مختلف اسباب کے تحت ہوگا تو اس میں ہرگز ارتباط نہ ہوگا اور جو شخص ایسے کلام کو ربط دے گا وہ خواہ مخواہ ایک امر ناشدنی کی تکلیف کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ قرآن مجید کا نزول بیس سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ میں ہوا اور مختلف اسباب کی بنا پر مختلف اوقات میں مختلف احکام کے لئے نازل ہوا تھا۔ اس طرح کے کلام کو کبھی مربوط نہیں کیا جا سکتا ہے"[۱۲]

ہندی علماء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۲ء) بھی اس خیال کے حامی تھے وہ کہتے تھے کہ قرآن کی ہر آیت اور ہر سورہ میں نظم وترتیب کی تلاش بے سود ہے کیونکہ اہلِ عرب کلام میں اس طرح کے تصنیفی نظم وترتیب سے کلیۃً ناآشنا تھے جس کا رواج متاخرین کے یہاں ملتا ہے۔ اپنی ایک اہم تالیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں انھوں نے لکھا ہے کہ "قرآن مجید میں علوم پنجگانہ کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے، متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ آیاتِ احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصولیوں کا قاعدہ ہے، نہیں کیا گیا۔ علم مباحثہ کی آیات میں مشہور و مسلم اقوال اور خطابیات نافعہ کا التزام تو ہے مگر ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ ادباء متاخرین کا قاعدہ ہے، نہیں کی گئی ہے بلکہ خداوند تعالیٰ نے جس حکم کو بندوں کے لئے مہتم بالشان سمجھا اسی کو بیان کیا خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا موخر"[۱۳]

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں ان بنیادی موضوعات کو ایک خاص ترتیب سے کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ فرماتے ہیں: "اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ بات ناممکن نہ تھی لیکن ایسا نہ کرنے کی وجہ حکمت اور مصلحت ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ قرآن مجید کے ادب و زبان اور اسلوب بیان میں عربوں کی زبان اور طرز کلام کے ساتھ موافقت کی گئی ہے"[۱۴]

شاہ صاحبؒ قرآن مجید کی سورتوں کے مابین بھی کسی نظم و ترتیب کے قائل نہ تھے۔
ان کے نزدیک قرآن مجید کا اسلوب بیان شروع سے آخر تک مکتوب یا شاہی فرمان کی مانند ہے۔ فرماتے ہیں: "قرآن مجید کو ادنیٰ درجہ کی کتابوں کی طرح ابواب و فصول میں اس طرح تقسیم نہیں کیا گیا ہے کہ ہر مبحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا بلکہ قرآن مجید کو مجموعہ مکتوبات کے مثل سمجھنا چاہیے۔ جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورت ایک فرمان لکھتا ہے، اس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان یہاں تک کہ بہت سے فرامین جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان فرامین کو ایک مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیتا ہے۔ بعینہٖ قرآن مجید کی سورتوں کو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جداگانہ مرتب اور محفوظ تھیں، ایک مصحف کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔"[۵۵]

قرآن مجید کی آیات اور اس کی سورتوں میں بے نظمی کی جو توجیہ متذکرہ صدر علماء نے کی ہے وہ بعض جزوی صداقتوں کے باوجود متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید مختلف حالات و کوائف میں نجماً نجماً نازل ہوا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی نظم و ترتیب نہیں ہے۔

معلوم ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں توقیفی ہے۔ جو سورتیں پہلے نازل ہوئیں وہ ترتیب میں موخر اور جو بعد میں نازل ہوئیں وہ مقدم ہو گئیں۔ اور اس کی وجہ سورتوں کے مضامین کی مناسبت ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آیت یا آیتیں نازل ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین وحی سے فرماتے کہ ان کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے پہلو میں رکھو۔ اگر دو آیات کے درمیان کوئی معنوی مناسبت مدنظر نہ تھی تو اس حکم کی کیا ضرورت تھی؟

سورتوں کی موجودہ مقداری تقسیم سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اگر ہر سورہ کا ایک خاص موضوع اور معنوی نظام نہیں ہے تو آیات کی حد بندی اور ان کے تسمیہ کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ یہ سورہ بقرہ ہے اور یہ سورہ آلِ عمران ہے۔ تمام سورتیں کسی نام کے بغیر اول سے آخر تک ایک ہی سلسلۂ تحریر میں منسلک ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیات کو ایک خاص نظم و ترتیب سے لکھواتے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور جب ایک سورہ متعین مقداری حد پر پہنچ جاتی تو وہ ایک خاص نام سے موسوم ہوتی اور اسے ایک مکمل سورہ کا درجہ حاصل ہو جاتا۔ اس طرح ۲۳ سال کی طویل مدت میں تمام سورتیں درجۂ تکمیل کو پہنچیں۔

شاہ صاحبؒ کا یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے، ایک جملہ کا دوسرے جملے سے اور ایک باب کا دوسرے باب سے واضح طور پر مربوط ہونا ادب جاہلی اور اہل عرب کے نزدیک جزو بلاغت نہیں تھا اس لئے قرآن مجید کی آیات کے مابین ہر جگہ نظم و مناسبت کی تلاش لاحاصل ہے۔

حق بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنے بیانات میں اہلِ عرب کے مذاق کلام کی رعایت تو کی لیکن اس کی مکمل پابندی نہیں کی بلکہ ان کے مروجہ اسالیب بیان میں اضافات کئے اور بلاغت کے نئے نئے جلوے دکھائے۔ جو اسالیب کلام عربوں میں مقبول تھے ان میں بھی اس نے جدت طرازی دکھائی اور ان کو منتہائے کمال تک پہنچایا یہی وجہ ہے کہ اہلِ عرب اپنے معروف اسالیب کلام میں بھی قرآن مجید سے معارضہ کی جرأت نہ کر سکے۔

ارباب بلاغت نے اعجاز قرآن کے وجوہ میں اس کے اسلوب بدیع کو سب سے زیادہ نمایاں حیثیت دی ہے۔ ابو عیسیٰ رمانی (م ۳۸۴ھ/۹۹۴ء) نے اعجاز قرآن پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ رقم طراز ہے: "عربوں کے معروف انواع کلام یہ تھے: شعر سجع اور محاورہ (بول چال کی زبان) قرآن مجید نے ان سے بالکل الگ طریقہ اختیار کیا یعنی عربوں کی معروف عادت کلام کے خلاف لیکن حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہے مثلاً شعر میں وزن اس کے حسن کو بڑھاتا ہے لیکن قرآن مجید نے شعری وزن کو باقی نہیں رکھا یعنی دو مصرعوں کا برابر ہونا لیکن اس کے باوجود اس کا حسن شعر کے حسن سے کہیں زیادہ ہے۔"

اعجاز القرآن پر گفتگو کرتے وقت استاذ الحمصی نے لکھا ہے کہ: "قرآن مجید

کے امتیازی اوصاف میں اس کے اسلوب بیان کی خوبی کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ اسلوب بیان عربوں کے اسالیب کلام کے برعکس ہے۔ دیکھو آیتوں اور سورتوں کا آغاز کس طرح ہوتا ہے۔ مثلاً سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات آئے ہیں۔ مابعد کی آیتوں سے ان کا وہی تعلق ہے جو موسیقی اور اس کے کلمات آغاز میں ہے۔ پھر اسلوب خطاب دیکھو یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا، یَا عِبَادِیَ الَّذِینَ أَسْرَفُوا۔ اس کے علاوہ آیات کا خاتمہ ایسے فواصل پر ہوتا ہے جن میں موسیقی کی کیفیت ملتی ہے۔ بالعموم اس کا آخری حرف ساکن اور اس کے ماقبل حرف مدہ (ی، و) آتا ہے جس سے ایک شیریں ضرب پیدا ہوتی ہے جو موسیقی کا خاصہ ہے۔ الفاظ کی داخلی موسیقی اس کے علاوہ ہے۔ اواخر آیات میں حروف کا توافق و تقارب بھی قابلِ غور ہے جو سجع کے مشابہ ہے لیکن نفوس پر اثراندازی کے لحاظ سے اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ جملوں کی مقدار میں جو تقارب ہے وہ بھی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کے مفرد اور مرکب الفاظ میں غیر معمولی موزونیت اور حسنِ ترتیب ہے جس سے آیات ایک مخصوص وزن پر رواں دواں نظر آتی ہیں[۵۵]۔"

رافعی نے بھی یہی بات لکھی ہے: "کہ قرآن کا اعجاز اس کے اسلوب بدیع میں ہے اس کا اسلوب جملہ انسانوں کے معروف اسالیبِ کلام سے جداگانہ ہے۔ اسی وجہ سے عرب قدیم اس کا جواب دینے سے قاصر رہے۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ کلام کی ایک ایسی جنس ہے جو ان کے طبائع اور مذاق کے خلاف ہے لیکن لطف شیرینی میں اس سے بڑھ کر ہے[۵۶]۔"

دل چسپ بات یہ ہے کہ خود شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اعجاز قرآن کے بیان میں اسی دلیل کو پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اعجازِ قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں اوّل اس کا اسلوب بدیع ہے۔ عربوں کے پاس بلاغت کے چند میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کی ترکتازی دکھاتے اور ہم عصروں سے مسابقت کی سعی کرتے تھے، وہ میدان قصائد، خطبے، رسائل اور محاورات ہیں۔ اہلِ عرب ان چار اسالیب کے علاوہ کسی اور اسلوب سے واقف نہ تھے اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر

قادر تھے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اگرچہ آپ امّی تھے، ایک خاص اور ممتاز اسلوب کی ایجاد جو ان کے مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے، بے شک زمرۂ اعجاز میں شمار ہوگا۔[۱]

قرآن مجید کے اس اعجازی پہلو کو وزن اور قوافی کے ذکر میں بھی انھوں نے نمایاں کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کے وزن اور قافیہ کو جو زیادہ حلاوت بخش ہیں کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام کی حلاوت میں زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن کے مذاق کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شعراء کا وزن لذیذ تر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجودیکہ آپ امّی تھے، ایک عدیم المثال وزن و قافیہ کی ایجاد آپ کی نبوت کا کھلا ہوا نشان ہے۔ اگر شعرائے عرب کے وزن اور قافیہ میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کفار برملا کہتے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو عربوں میں عام ہیں اور ہر کس و ناکس کی زبان پر ہیں۔ اس خیال باطل کی وجہ سے قرآن مجید کی طرف ادنیٰ التفات بھی نہ کرتے اور اس کو کسی شمار میں نہ رکھتے۔ نظم و نثر کے ارباب کمال بھی جب اپنے ہم عصر فضلاء میں خود کو نمایاں اور ممتاز کرنا چاہتے ہیں تو وہ اس مقصد کے لئے کوئی تازہ زمین یا کوئی جدید اسلوب اختراع کرتے ہیں اور پھر دعوٰی سے کہتے ہیں کہ ہے کوئی جو اس زمین میں ایسی غزل یا اس اسلوب میں ایسی نثر لکھ سکے؟ اگر یہ لوگ قدیم طرز انشاء کی پیروی کریں یا پامال زمینوں میں طبع آزمائی کریں تو محققین کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے کمال کا ادراک نہ کر سکے گا"[۱]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے اسلوب بیان اور انواع مضامین دونوں کے لحاظ سے ایک منفرد اور یکتا کتاب ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں خواہ دینی ہو یا غیر دینی، جو ہر اعتبار سے کامل اور دین و دنیا کے تقاضوں کا ایک خوشگوار آمیزہ ہو۔ مثلاً اس میں عبادات بھی ہوں اور اخلاقی تعلیمات بھی، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق واضح رہنمائی بھی ہو اور روزِ آخرت کے جملہ احوال و مقامات کا واضح بیان بھی، دعوت انبیاء کے تذکرے بھی ہوں اور اقوام ماضیہ کے عروج و

زوال کی داستان بھی، تزکیۂ نفس کی دعوت بھی دی گئی ہو اور باطل کے خلاف جہاد کی ترغیب و تحریص بھی، ذکر اللہ کا بیان بھی ہو اور آثارِ کائنات پر غور و فکر کی تلقین بھی، خلق عالم کی نیرنگیاں بھی دکھائی گئی ہوں اور اس کے اسرار سے پردہ بھی اٹھایا گیا ہو، تخلیق عالم کی غرض و غایت بیان کی گئی ہو اور تخلیق انسان کا مقصد و منشا بھی واضح طور پر متعین کیا گیا ہو غرضیکہ جسم و روح، عقل و جذبات اور فرد اور جماعت کے مسائل کے بیان میں کامل درجہ کا عدل و توازن ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی ہر تعلیم انسانی فطرت کے عین مطابق ہو۔ اس میں نہ رہبانیت کو راہ دی گئی ہو اور نہ بے مہاری و بے راہروی کی اجازت ہو۔ ایک صاف، سیدھی اور روشن شاہراہ ہو، فکر کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی۔

ادبی زاویۂ نگاہ سے دیکھیے تو بھی قرآن مجید کی انفرادیت اور اس کی یکتائی مسلّم ہے۔ بلامبالغہ وہ دنیا کے ادبی ذخیرہ کا گوہرِ شب تاب ہے۔ ہومر، شیکسپیر، فردوسی اور دنیا کے دوسرے ادبا، و فضلاء کے ادبی کمالات اس کتاب کے ادبی محاسن کے سامنے خزف ریزوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ہر دور کے اربابِ علم نے اس کتاب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ بڑے بڑے شعراء و ادباء نے اس کے آگے اعتراف کی پیشانی جھکائی ہے۔

اس کے الفاظ کا دروبست، اس کی تراکیب کی بندش، اس کے جملوں کی سبک خرامی، اس کے قوافی کی ندرت و نغمگی، اس کے طرز بیان کی سحر انگیزی، اس کے استعارات و تشبیہات اور امثال و محاورات کی جدت طرازی اور اثر آفرینی بے مثل و بے نظیر ہے۔ ہر آیت میں الفاظ تراشے ہوئے نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ معانی کی وسعت و بے کرانی کا حال یہ ہے کہ لفظ لفظ میں جہان معنی پنہاں ہے، ہر آیت سے علوم و معارف کے چشمے ابلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شیکسپیر اٹھارہویں صدی کا انگریز شاعر گذرا ہے لیکن اس کی زبان بیسویں صدی کی زبان سے یکسر مختلف ہے۔ اس کے ڈراموں کے بہت سے الفاظ و تراکیب اب متروک ہو چکے ہیں لیکن قرآن مجید کا ایک بھی لفظ، ایک بھی ترکیب، اور ایک بھی محاورہ آج

تک متروک الاستعمال نہیں ہوا۔ متروک ہونا تو بڑی بات ہے وہی اب بھی فصیح ترمانے جاتے ہیں۔ علم بلاغت میں بیان کے نئے نئے طرز ایجاد ہو گئے ہیں لیکن اس کی روح اور اس کا معیار کمال اب بھی وہی ہے جو ۱۴ سو سال پہلے قرآن حکیم کی بلاغت نے متعین کر دیئے تھے۔ یعنی اثر انگیزی جو دراصل کلام کی سچائی اور موثر پیرائے میں اس کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ایک بے مثل کلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو سن کر ایک کافر کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔

اس پر تاثیر کتاب نے عرب قدیم کے شعراء، خطباء اور بلغاء کو جن کو اپنی زبان دانی اور طلاقتِ لسانی پر بڑا غرہ تھا، چیلنج دیا کہ وہ اس کا مثل لائیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا	کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے
يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ	قرآن خود تصنیف کر لیا ہے؟ اصل
مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝	بات یہ ہے کہ وہ ایمان ہی لانا نہیں
(سورۂ طور: ۳۳-۳۴)	چاہتے۔ اگر وہ اپنے قول میں سچے ہیں
	تو اسی طرح کا کوئی کلام پیش کریں۔

جب کہیں سے کوئی حریفانہ صدا بلند نہ ہوئی تو کہا گیا، اچھا پورا قرآن نہ سہی دس سورتیں ہی بنا لاؤ[۱۲] لیکن یہ بھی ان سے بن نہ پڑا، آخر الامر اتمام حجت کی خاطر کہا گیا کہ ایک ہی سورہ، چھوٹی بڑی کی قید نہیں، اس کی مانند پیش کرو[۱۳] مگر اس کی جرأت بھی وہ نہ کر سکے اور تب اعلان کر دیا گیا کہ اگر سارے جن مل کر اس کام میں انسانوں کی مدد کریں تو بھی اس کا مثل لانا ان کے بس میں نہیں ہے۔[۱۴]

غور فرمائیں، کیا اس تحدی کا محل ایک ایسی کتاب ہو سکتی ہے جو اپنی ساخت و ترکیب میں غیر منظم ہو، جس کے مضامین میں کوئی ربط و تسلسل نہ ہو، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے معناً غیر مربوط ہو۔ اور کیا اسی پراگندہ خیالی کا جواب پیش کرنے سے عرب کے نامور شعراء اور خطباء عاجز آ گئے؟ ان کے لئے تو نہایت آسان تھا کہ وہ قرآن مجید کا چیلنج سنتے ہی بول اٹھتے کہ اس کتاب کا جواب کون لکھ سکتا ہے جس کی ہر سورہ خیالات

پریشان کا ایک دفتر ہے، جس کے اجزائے ترکیبی میں نظم و ترتیب نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ لیکن وہ قرآن پر اس نوع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو ایک منظم اور مرتب کتاب سمجھتے تھے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ان کے ذہین افراد نے اعتراف کیا کہ یہ ایک غیر معمولی کلام ہے۔ اس سلسلے میں مکّی سردار مغیرہ بن شعبہ[۱۵] کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

"بخدا شعر ہو یا رجز، قصائد ہوں یا جنّی اشعار، عربی کلام کی ایک ایک صنعت کو میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم یہ شخص جو کلام پیش کر رہا ہے وہ ان میں سے کسی چیز کے بھی مشابہ نہیں۔ بخدا اس کے کلام میں ایک عجیب حلاوت ہے اور ایک خاص طرح کا حسن ہے۔ اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی اور اس کی جڑیں بالکل شاداب ہیں۔ یقیناً وہ ہر کلام سے بلند ہے اور کوئی دوسرا کلام اسے نیچا نہیں دکھا سکتا۔ کوئی شک نہیں کہ وہ ہر اس چیز کو توڑ کر رکھ دے گا جو اس کے نیچے آئے گی"[۱۶]

قرآن مجید کی اسی بے پناہ تاثیر کا نتیجہ تھا کہ کفار قریش عاجز آکر تلاوتِ قرآن کے دوران میں شور و ہنگامہ کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سن نہ سکیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حٰمٓ سجدہ ۴۱:۲۶)

کفار کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں شور و غل مچاؤ شاید کہ تم اس طرح غالب آجاؤ"

قرآن مجید کی یہ بے مثل اثر آفرینی خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک منظم کلام ہے۔ کیا کسی غیر منظم کلام سے اس نوع کی اثر انگیزی ممکن ہے؟ کلام خدا کو چھوڑیں، انسانی کلام کی کسی صنف مثلاً ایک موثر خطبہ کو لے لیں اور اس کی ترتیب بدل دیں۔ جو مقدم ہے اسے موخر اور جو موخر ہے اسے مقدم کر دیں پھر دیکھیں کہ کیا اس خطبہ کی پہلی

تاثیر باقی رہتی ہے؟ تاثیر تو کجا اس کو ایک معمولی درجہ کا خطبہ بھی کہنا مشکل ہوگا بلکہ اس کی سماعت بھی سامعہ پر بار ہوگی ۔

قرآن کی غیر معمولی تاثیر کی وجہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، کلام کی سچائی اور اس کی بے نظیر فصاحت و بلاغت ہے ۔ جو کلام جس درجہ فصیح و بلیغ ہوگا اسی قدر موثر ہوگا اور نظم و ترتیب بلاغت ہی کا حصہ ہے ۔ پس اگر قرآن مجید بلیغ کلام ہے اور یقیناً ہے تو لازمی ہے کہ اس میں غایت درجہ کا نظم و ترتیب ہو ۔ بطور ثبوت یہاں چند سورتوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ یہ امر متحقق ہو جائے کہ قرآن مجید ایک منظم و مرتب کلام ہے ۔

سورہ فاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورہ ہے ۔ یہ فاتحۃ الکتاب کے نام سے بھی موسوم ہے ۔ اس کو غور سے پڑھیں، کہیں ادنیٰ احساس بھی نہ ہوگا کہ اس میں کوئی معنوی بے ربطی ہے ۔ سورہ کی ہر آیت اپنے ماقبل و مابعد کی آیت سے پوری طرح مربوط ہے ۔ اس سورہ کا مرکزی موضوع اجمالاً توحید ہے ۔ اسی کو صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ بندہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اس کی عبادت اور اس سے استعانت کا عہد و پیمان کرتا ہے ۔ اس کے بعد اللہ کی جناب میں درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کو توحید کی سیدھی راہ دکھائے ۔ بندہ اللہ مالک الملک سے صرف اس بات کی التجا نہیں کرتا کہ وہ اس کو توحید کی علم بردار جماعت (منعم عَلَيۡهِمۡ) کے نقوش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے بلکہ یہ استدعا بھی کرتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کی راہ سے دیدہ و دانستہ روگردانی اختیار کی (مَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ) یا جو لوگ اس راہ سے بھٹک گئے (ضَآلِّيۡنَ) ان کی اتباع سے ان کو محفوظ رکھے ۔ ہے اس میں کوئی معنوی بے ربطی؟

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ ہے ۔ اس کا یہ نام بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اس سے بہتر اس کا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا تھا ۔ اس میں ایک مقام (آیات: ۶۷-۷۳) پر گائے کی قربانی کا ذکر ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہود سے کہا کہ "اللہ تم کو ایک گائے کی قربانی کا حکم دیتا ہے (اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَةً) اس حکم کو سن کر یہود نے کہا "کیا آپ ہم سے ہنسی مذاق کرتے ہیں؟ (قَالُوۡٓا

أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی بات کروں (قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ) لیکن اس کے بعد بھی یہود نے سرِ تسلیم خم نہیں کیا، اور تعمیل حکم سے بچنے کے لئے جس طرح لیت ولعل سے کام لیا اس سے ان کی سرکش طبیعت کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سورہ کے ایک بڑے حصے میں ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔ اس بنا پر ماننا ہوگا کہ یہ اس سورہ کا یہ موزوں ترین نام ہے۔ اس کے نام ہی سے اس کا ایک اجمالی تعارف ہو جاتا ہے۔

اس سورہ کے نظم کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے، اس کی ساخت و ترکیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ سورہ کو غور سے پڑھیں تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ دو فصلوں پر مشتمل ہے اور اور ہر فصل میں متعدد ابواب (رکوعات) ہیں پہلی فصل کا تعلق بنی اسرائیل (یہود) کے اقوال و اعمال یا دوسرے لفظوں میں ان کی داستان سرکشی سے اور دوسری فصل کا تعلق اہلِ ایمان کی تعلیم و تربیت سے ہے۔ بالفاظ دیگر پہلی فصل میں "مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ" کی داستان کبر و تمرد اور دوسری فصل میں "منعم عَلَيْهِمْ" کے عقائد و اعمال کی تفصیل ہے اور انہی کی راہ پر مسلمانوں کو چلنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب و بامراد ہوں۔

ترکیب سورہ کی تفہیم کے ساتھ اس کے مرکزی موضوع اور اس کے توابع کی تعیین بھی ضروری ہے۔ اس سورہ کا مرکزی موضوع ایمان و عمل اور اس کا لزوم ہے۔ یہود نے جس طرح زبان سے دعوائے ایمان کے باوجود عمل سے گریز کیا اور اللہ کے احکام سے روگردانی کی اس کی تفصیل سورہ کی پہلی فصل میں جو ۱۵۲ آیات پر مشتمل ہے، موجود ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان یعنی مسلمانوں کو ایمان و عمل کی دعوت اس کی جملہ تفصیلات کے ساتھ دی گئی ہے اور انھیں ایمان کے ساتھ اللہ کے حکموں کی اطاعت و اتباع پر ابھارا گیا ہے۔ ان سے واضح لفظوں میں کہا گیا ہے کہ یہود کی طرح محض زبانی ایمان اور جزوی اطاعت پر اکتفا نہ کریں بلکہ پوری زندگی کو خواہ انفرادی ہو اور خواہ اجتماعی اسلام کے تابع کریں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ، اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (آیت ۲۰۸) اور یہ کامل اتباع صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ ہی ممکن ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (آیت ۱۵۳)

ایمان میں توحید کے مضمون کو بتکرار بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دین میں اس کی حیثیت مرکزی اور اساسی ہے۔ توحید کا مطلب اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کی جائے' بلکہ یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ صرف اسی کو کارساز اور مشکل کشا سمجھا جائے' اور شارع و قانون ساز بھی اسی کو مانا جائے۔ زندگی کے ہر معاملے میں اسی کے حکم و ہدایت کی پیروی ہر مومن پر لازمی ہے اس کے علاوہ کسی اور کے حکم و ہدایت کی پیروی شرک میں داخل ہے۔

ان چند بنیادی امور کے ذکر کے بعد اب ہم سورہ کا نظم اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ جو قارئین تفصیل کے خواہاں ہوں وہ راقم کی زیر تالیف کتاب "قرآن فہمی کے اصول و مبادی" ملاحظہ فرمائیں۔

سب سے پہلے یہ امر ذہن نشین کیا گیا ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اس میں ان سب لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد اہل تقویٰ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ تقابل قرآن مجید کا معروف اسلوب بیان ہے چنانچہ اہل تقویٰ کے ذکر کے بعد کفار و منافقین کا تذکرہ ہے۔ منافقین کے مفسدانہ اعمال اور ان کے ذہنی ترددات کو ایک تمثیل کے ذریعہ نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اہل تقویٰ اور کفار و منافقین سے دراصل یہود کے اہل تقویٰ اور کفار و منافقین مراد ہیں۔

مخاطبین کتاب کے ذکر کے بعد اس کے بنیادی موضوعات، توحید، رسالت اور معاد کا اجمالی بیان ہے۔ یہاں تک اس فصل کی تمہید ہے۔ اس کے بعد اصل موضوع یعنی یہود کی داستان فسق و فجور شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے خلافت آدم کا تذکرہ ہے اور ایک تمثیل کے ذریعہ ابلیس و آدم علیہ السلام کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تا لہ

یہود دیکھ لیں کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں اور کس کے اسوہ کا اتباع کر رہے ہیں؟

اس تمثیل کے بعد بنی اسرائیل پر اللہ کی پیہم عنایات کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کی نافرمانیوں کو بھی ایک ایک کر کے بیان کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اس قوم کے اندر سے زندگی اور ترقی کے سارے امکانات ختم ہو چکے ہیں اور ہدایتِ ربّانی کے جس منصب پر اب تک وہ فائز رہے ہیں اس کے اہل نہیں رہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ امامت عالم کی ابراہیمی وراثت ان سے چھین کر بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی جائے۔

اس فصل کا خاتمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر پر ہوا ہے اور اس سلسلے میں یہود کی متعدد غلط بیانیوں کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے عہد لیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو تا قیامت نوازتا رہے گا اور ان کو برابر دینی سیادت حاصل رہے گی۔ انھیں بتایا گیا کہ اس عہد کا تعلق ظالموں سے نہیں ہے، اور وہ یقیناً ظالم و مشرک ہیں۔ اسی طرح یہود اصل بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ کے بارے میں کتمان حق سے کام لیتے تھے۔ واضح کیا گیا کہ اصل بیت اللہ خانۂ کعبہ ہی ہے اور اس کی تعمیر خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت مقام ابراہیم ہے جو آج بھی جائے عبادت ہے۔ آخری پیغمبر کی بعثت بھی دعائے ابراہیمی کا ثمرہ ہے۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت انھوں نے دعا کی تھی کہ بنی اسمٰعیل کے اندر سے ایک پیغمبر مبعوث ہو۔ اور اللہ نے یہ دعا قبول کی۔

یہودی فخر کی نفسیات میں مبتلا تھے چنانچہ وہ گھمنڈ سے کہتے تھے کہ ابراہیمؑ ہمارے باپ ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ ان کا طرزِ زندگی ابراہیمؑ کے طرزِ زندگی سے قطعاً مختلف ہے وہ نہ یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ مسلم کامل تھے جب کہ ان کی اکثریت فاسق و فاجر ہے اور بہت سے لوگ شرک تک میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ابراہیمؑ سے قولی نسبت جوڑنے سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ راہِ حق پر وہی شخص ہے جس نے ابراہیمؑ کی مخلصانہ پیروی کی اور شرک سے محفوظ رہا۔

اس سورہ کی دوسری فصل کا تعلق جیسا کہ پہلے بیان ہوا، مسلمانوں کی تعلیم و

تربیت سے ہے۔ اس کا آغاز تحویل قبلہ کے ذکر سے ہوا ہے اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں خانۂ کعبہ ہی کی طرف منہ کرکے عبادت کریں کہ وہی ان کا حقیقی قبلہ ہے۔ تحویل قبلہ کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ یہ دراصل دینی سیادت سے بنی اسرائیل کی معزولی اور اس پر بنی اسمٰعیل کی سرفرازی کا اعلان تھا۔

اس دینی سیادت کی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں کو سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا کہ وہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لیں کہ اللہ صبر و ثابت قدمی دکھانے والوں کے ساتھ ہے (اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ) اس سے معلوم ہوا کہ جو قوم صبر و استقلال کا جوہر نہیں رکھتی اللہ اس قوم کی مدد نہیں کرتا۔ نماز پر صبر کا تقدم معنی خیز ہے کہ صبر و استقلال کے بغیر نماز کا قیام و استحکام ممکن نہیں ہے۔ دین میں صبر کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے صفا اور مروہ کا ذکر کیا گیا ہے جو شعائر اللہ میں سے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں "ذبح عظیم" کا واقعہ پیش آیا اور اسی واقعے نے بنی اسمٰعیل کے عروج و سربلندی کی راہ کھولی۔

صبر اور صلوٰۃ کی تعلیم کے بعد توحید کی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا ہر وجود بالذات بے اقتدار ہے (اِنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا) وہ تنہا جملہ مخلوقاتِ عالم کا حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مافوق الفطری طاقت کا مالک سمجھنا شرک ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

توحید میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ بات بھی داخل ہے کہ اللہ ہی اصل شارع و قانون ساز ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو علی الاطلاق قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہودی فقہا (فریسی) کی روش کی مذمت کی گئی ہے جو بزعم خود شارع اور قانون ساز بن بیٹھے تھے اور اللہ کی سند کے بغیر اپنی تاویلات فاسدہ کے ذریعہ حلال و حرام کے فتوے دیتے تھے۔ انھوں نے اللہ کے قانونِ قصاص اور قانونِ وصیت میں بھی تبدیلی کر دی تھی۔ مسلمانوں کو اس روش سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ہے اور قانون قصاص اور قانون وصیت پر کسی کمی و بیشی کے بغیر

عمل کی تاکید کی گئی ہے۔

توحید اور متعلقات توحید کے بیان کے بعد عبادات کا ذکر ہے اور بالترتیب روزہ (نماز کا ذکر پہلے آچکا ہے) حج، جہاد اور انفاق مال کے بارے میں احکام بیان کیے گئے ہیں انفاق مال کے ضمن میں مالی معاملات میں کتابت اور حرمت سود کا بھی ذکر آگیا ہے۔ غور سے دیکھیں تو یہ سارے امور مقامات صبر ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس دوسری فصل کا اختتام توحید کے مضمون پر ہوا ہے اور اس کے بعد ایک حد درجہ موثر دعا ہے جس میں بندہ سمع وطاعت کے عہد کے ساتھ اللہ سے عفو و درگزر اور احکام و فرائض میں تخفیف کا طالب ہے اور اس کی علت بالکل واضح ہے کہ سورہ میں کثرت سے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ بندہ اللہ کی کارسازی کے اقرار کے ساتھ کفار کے مقابلے میں اس کی نصرت کا بھی خواہاں ہے (اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ)

آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سورہ بھی بطریق احسن ایک سلسلۂ نظم میں پروئی ہوئی ہے تمہید، اصل موضوع اور خاتمہ تینوں اعتبار سے اسمیں کہیں کوئی ادنیٰ سقم بھی نظر نہیں آتا بلکہ حیرت انگیز حد تک یہ منظم و مرتب ہے۔

سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ میں اجمالاً نظم و ترتیب دکھانے کے بعد اب ہم قرآن مجید کی آخری تین سورتوں کو لیتے ہیں یعنی اخلاص اور معوذتین۔ اخلاص تمام تر توحید کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ معوذتین میں توحید کے دشمنوں سے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے یعنی یہ توحید پر استقامت کی دعا ہے۔ ان تینوں سورتوں میں باہم جو معنوی ربط و اتصال ہے وہ بالکل واضح ہے اور چنداں محتاج تشریح نہیں۔

یہ بات بڑی اہم اور معنی خیز ہے کہ دعا (سورہ فاتحہ) سے قرآن مجید کا آغاز ہوا اور دعا (معوذتین) ہی پر یہ ختم ہوا اور دونوں کا موضوع بھی ایک ہے یعنی توحید۔ پہلی دعا میں توحید کی راہ پر چلنے کی خواہش کا اظہار ہے اور آخری دعا میں اس راہ کے خطرات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید دراصل کتاب توحید ہے۔

اس کا اول بھی توحید اور اس کا آخر بھی توحید ہے۔ درمیان میں جو امور حیطۂ تحریر میں آئے ہیں، خواہ ان کا تعلق رسالت و آخرت سے ہو، خواہ عبادت اور شرائع سے ہو، خواہ اخلاق اور اقوام و ملل کی سرگذشت سے ہو اور خواہ انفس و آفاق کے اسرار وحقائق کی پردہ کشائی سے ہو ان سب کا رشتہ توحید سے جڑا ہوا ہے۔ توحید اصل ہے اور بقیہ ساری چیزیں اسی اصل کی فروع ہیں۔ ان کی حیثیت سرچشمۂ توحید سے نکلی ہوئی نہروں کی ہے

اس زاویۂ نگاہ سے جو شخص بھی قرآن مجید کو پڑھے گا وہ تسلیم کرے گا کہ وہ اعجاز کی حد تک ایک مرتب اور منظم کتاب ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں میں نظم و ترتیب ہے اور اس کا نظم بھی واضح ہے جیسا کہ تم نے بیان کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر علماء کی نگاہ سے یہ نظم پوشیدہ رہا؟ جو علماء نظم کے قائل تھے وہ بھی اپنی جملہ مساعی جمیلہ کے باوجود تمام سورتوں اور آیتوں کے اندر نظم و مناسبت نہ دکھا سکے اور ہنوز یہ صورت باقی ہے؟

راقم کے نزدیک اس کی دو بڑی وجہیں ہیں۔ ایک وجہ قرآن مجید کا ایجاز ہے یہ ایجاز تمام ہی سورتوں میں موجود ہے لیکن مکی سورتوں میں اپنے منتہائے کمال تک پہنچ گیا ہے جس کی وجہ سے عام اذہان تو کجا نہایت ذہین لوگ بھی بسا اوقات اس کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ جب قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں سارے انسانوں کے لئے رہنمائی ہے (ھُدًی لِّلنَّاسِ) تو اس ایجاز و اجمال کی وجہ؟ جہاں تک قرآن مجید کی تذکیری تعلیمات کا تعلق ہے وہ بالکل واضح اور مفصل ہیں (وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ سورۂ قمر: ۱۷)۔ لیکن کتاب کا وہ حصہ جو حقائق و معارف پر مشتمل ہے اور جس کا دوسرا نام حکمت ہے اس کے بیان میں ایجاز کا رنگ پوری طرح غالب ہے اور تدبر کے بغیر اس کی تفہیم ممکن نہیں ہے۔ ان مقامات کا تعلق عوام الناس کے بجائے اہل علم و دانش سے ہے۔

اسلوب بیان میں ایجاز کا لحاظ رکھنے کی وجہ سے جہاں کلام کے ادبی حسن و جمال

میں اضافہ ہوا اور اس کی تاثیر دوچند ہو گئی وہاں حفاظ قرآن کے لئے اس کا حفظ و قرأت دونوں آسان ہو گئے کہ وعدۂ الٰہی کے مطابق اس کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب اوّل یعنی عربوں پر اتمام حجت بھی مقصود تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ عربی ادب جاہلی کا بڑا حصہ اشعار پر مشتمل ہے۔ عرب اپنے احساسات و جذبات کا اظہار زیادہ تر اشعار ہی میں کرتے تھے اور ان کا یہ قومی مزاج بن چکا تھا۔ وہ اس طرزِ کلام کے اس قدر خوگر تھے کہ خطبوں میں بھی اس کے اثر سے دامن بچائے جانا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ مقفیٰ اور مسجّع عبارتیں ان کے خطبوں میں بھی ملتی ہیں، لیکن کلام میں جو چیز سب سے زیادہ ان کو عزیز تھی وہ ایجاز تھا۔ چونکہ اہل عرب نہایت ذہین اور ذکی الحس تھے اس لئے تفصیل و صراحت کے بجائے اشارہ و کنایہ میں اظہارِ مدعا کو پسند کرتے تھے اور اشعار میں اس کا خصوصی التزام کرتے تھے۔ ویسے بھی رمز و ایما شعر کی جان ہیں اور دنیا کا کوئی ادب اس خصوصیت سے خالی نہ ملے گا۔ عربوں کے اس قومی مزاج اور مذاقِ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن میں ایجازِ بیان کو ترجیح دی گئی ہے۔

جاحظ نے اپنی کتاب "کتاب الحیوان" میں اس کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے:

ولی کتاب جمعت فیه آی	میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں
من القرآن لنعرف بها	قرآن مجید کی کچھ آیات کو جمع کیا ہے
ما بین الایجاز والحذف	تاکہ ان سے ہم کو ایجاز و حذف اور زوائد
وبین الزوائد والفضول	و فضول اور استعارات کی حقیقت
والاستعارات۔ فاذا قرأتها	معلوم ہو۔ جب تم ان آیتوں کو پڑھو گے
رأیت فضلها فی الایجاز و	تو تم کو ایجاز کے پہلو سے ان کی فضیلت
الجمع للمعانی الکثیرة با	و برتری معلوم ہو گی کہ کس طرح
لالفاظ القلیلة۔ فمنها	تھوڑے الفاظ میں بہت زیادہ معانی
قوله حین وصف خمر	جمع کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ
اهل الجنة "لَا يُصَدَّعُونَ"	تعالیٰ نے اہل جنت کی شراب کی

عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ" وهاتان	تعریف میں فرمایا ہے کہ "نہ اس سے
الکلمتان جمعتا جمیع	دردِ سر لاحق ہوگا اور نہ ہی بے خودی
عیوب خمر اهل الدنیا	و بے عقلی پیدا ہوگی" ان دونوں فقروں
وقوله عزّوجل حین ذکر	نے اہلِ دنیا کی شراب کی تمام
فاکهة اهل الجنة	خرابیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔
"لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ"	اسی طرح اللہ عز وجل نے اہل جنت
جمع بهاتین الکلمتین	کے پھلوں کے ذکر میں فرمایا ہے "نہ
جمیع تلك المعانی۔[۱]	وہ ختم ہوں گے اور نہ روکے جائیں
	گے" ان دونوں فقروں میں سارے
	معانی آ گئے"۔

ظاہر ہے کہ جب کلام میں غایت درجہ کا ایجاز ہوگا تو اس میں لازماً بکثرت محذوفات ہوں گے جیسا کہ ہم اشعار میں دیکھتے ہیں، اس لئے اس میں لازماً غور و فکر کی ضرورت پڑے گی۔ غور و تامل سے ان روابط کا علم ہوگا جو کلام میں ارتباط پیدا کرتے ہیں۔ فہم کلام کے لئے ان روابط کی تفہیم نہایت ضروری ہے اور یہ تدبر کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی آیات میں غور و تدبر کی دعوت دی ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ	کیا وہ قرآن کی آیات میں تدبّر
عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا	نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر
(محمد ۲۴)	تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ	ہم نے تمہاری طرف ایک مبارک
لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ	کتاب اتاری ہے تاکہ وہ اس کی
اُولُوا الْاَلْبَابِ	آیات میں غور و فکر کریں اور عقلمند
(ص: ۲۹)	اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اس تدبر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ذہن وفکر کو جلا حاصل ہوتی ہے اور اس کے پوشیدہ کمالات کو ظہور کا موقع ملتا ہے۔ بہر حال تدبر کے بعد قرآن مجید کی وہ تمام سورتیں اور آیتیں جو ایجازی ہیں اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے واضح اور مرتب کلام معلوم ہوتی ہیں اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایجاز کے دامن میں معارف وبصائر کے کیسے کیسے خزانے مستور تھے۔ بطور ثبوت سورۂ رحمٰن کی بالکل ابتدائی آیات کو لیں:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

(رحمٰن: ۱-۱۲)

رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو گویائی سکھائی۔ سورج اور چاند حساب کے ساتھ (چلتے) ہیں اور سبزے اور درخت سب (اللہ کے) مطیع ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اس میں میزان رکھی۔ تم ناپ تول میں زیادتی نہ کرو اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت۔ اور اسی نے انسانوں کے لئے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت بھی ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔ اور اس میں غلہ ہے جن میں بھوسا بھی ہوتا ہے اور اس میں خوشبودار پھول بھی ہیں۔ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کرشموں کا انکار کرو گے۔

ایجاز بیان کی وجہ سے نظم کلام غیر واضح ہے۔ ابتدائی چار آیتوں میں رحمٰن کے

ذریعہ تعلیم، تخلیق انسان اور تعلیم بیان کا ذکر ہے۔ اس کے فوراً بعد سورج اور چاند کی حسابی گردش اور اشجار و نباتات کی اطاعت گذاری کا بیان ہے۔ اس کے بعد رفع آسمان اور اس میں وضع میزان کا تذکرہ ہے۔ اور پھر فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ اس کے بعد تخلیق ارض اور اس کی ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو انسان کے لئے بقائے زندگی کا ذریعہ ہیں۔ اخیر میں ارشاد ہوا ہے کہ تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور کرشموں کا انکار کرو گے۔ ان متفرق مضامین میں بظاہر کوئی نظم و ترتیب نظر نہیں آتی۔ لیکن نگاہ تدبر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ساری آیتیں باہم مربوط ہیں۔

اس سورہ کا موضوع اللہ تعالیٰ کے آثار علم و حکمت کا بیان ہے جو دراصل آثار رحمت ہیں۔ تعلیم قرآن اس رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ تخلیق انسان تعلیم بیان، سورج اور چاند کی حسابی بندش، اشجار و نباتات کی سرافگندگی، آسمان کی بلندی اور اس کے سیاروں کے درمیان توازن کا قیام، زمین اور اس میں قیام زندگی کے ضروری اسباب و وسائل کی تخلیق سب اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور رحمت و قدرت کے مظاہر ہیں۔ آثار علم و قدرت کے بیان کے درمیان میں انسان کی توجہ ایک اہم تخلیقی امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے اور وہ عدل و توازن کا اصول ہے۔ یہی عنصر اس کائنات بے کراں کی روح اور اس کے قیام وجود کا ضامن ہے۔ اور یہی شئے ایک عمدہ انسانی معاشرہ کے قیام کا واحد ذریعہ بھی ہے۔ "اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ" ایک استطرادی جملہ ہے، لیکن دیکھیں کہ کس خوبی سے لایا گیا ہے کہ کہیں سے نظم کلام میں کوئی خلل نہیں پڑا اور ایک اہم تخلیقی راز سے انسان آگاہ ہو گیا۔

قرآن مجید کے نظم کے مخفی رہ جانے کی دوسری بڑی وجہ سورتوں بالخصوص بڑی سورتوں کی موجودہ ترکیب و ترتیب ہے۔ چھوٹی سورتوں میں تقریباً ہر جگہ نظم واضح ہے۔ جہاں غیر واضح ہے وہاں تھوڑے سے غور و فکر سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں میں جو نظام ہے وہ ایک ہی عمود (مرکزی موضوع) کے گرد گھومتا ہے یعنی عمود اور نظام دونوں میں وحدانیت ہے۔ لیکن بڑی سورتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ ان میں نظام اور

بنیادی عمود تو ایک ہی ہیں لیکن ثانوی عمودات بھی ہیں جو ایک دوسرے میں مدغم ہیں اس لئے پڑھتے وقت آیات میں معنوی بے ربطی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ان ثانوی موضوعات (عمودات) کو الگ الگ ابواب کے تحت ظاہر کر دیا جائے، جیسا کہ سورہ بقرہ کے نظم کے بیان میں ہم نے واضح کیا ہے تو ہر سورہ کا نظم بالکل واضح ہو جائے گا۔

خاتمہ

اس بحث و گفتگو سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید نہ صرف ایک منظم و مرتب کتاب ہے بلکہ باعتبار نظم و ترتیب ایک معجزانہ کلام ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی کلام کی بعض اصناف مثلاً فلسفہ و سائنس اور ادب میں حکیمانہ مضامین مسلسل غور و فکر کے بعد ہی سمجھ میں آتے ہیں۔ فلسفہ و سائنس میں اس وقت کی وجہ ان کے دقیق معانی ہوتے ہیں اور اشعار میں رمز و کنایہ اور استعارات کا کثرت استعمال۔

قرآن مجید میں نہ صرف دقیق معانی ہیں بلکہ اس میں تمام ادبی محاسن کلام بھی جمع ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔ انہی وجوہ سے اس کی آیات میں بظاہر بے ترتیبی معلوم ہوتی ہے لیکن تدبر کے ذریعہ روابط کلام کا علم حاصل ہو جانے کے بعد نہ صرف آیات کی ظاہری بے ترتیبی ختم ہو جاتی ہے بلکہ معانی کا ایک ایسا عالم زرنگار نظروں کے سامنے روشن ہو جاتا ہے جس میں ہر طرف علم و حکمت کے موتی بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں اور زبان سے بے اختیار صدا نکلتی ہے کہ یہ یقیناً اللہ کا کلام ہے اس کے علاوہ کسی اور کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

حوالے و حواشی

لہ Thomas Carlyle. The Hero As Prophet. Islamic Service League. Bombay pp 35-37

لہ William Muir The Life of Mohammad Vol I. P VII

لہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، طبع مصر ۱۲۷۹ھ ج ۲ ص ۱۲۴۔

۴ه شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ از مولوی رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، جامع مسجد دہلی، ص ۵۔

۵ه ایضاً: ص ۷۱

۶ه ایضاً: ص ۷۰

۷ه محمد حنیف فقیہی، نظریۃ اعجاز القرآن عند عبد القاہر الجرجانی عن کتابتہ؛ اسرار البلاغۃ و دلائل الاعجاز، طبع قطر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء، ص ۱۴۶

۸ه ایضاً: ص ۱۸۶-۱۸۷ ۹ه ایضاً: ص ۱۹۰

۱۰ه الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۷۲-۷۳

۱۱ه ایضاً: ص ۷۲

۱۲ه سورہ ہود: ۱۳

۱۳ه سورہ بقرہ: ۲۲، سورہ یونس: ۳۸

۱۴ه بنی اسرائیل (اسرا): ۸۸

۱۵ه یہ قریشی سردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ وہ بہت متاثر ہوا اور چپکے سے اپنے گھر چلا گیا۔ یہ خبر ابوجہل تک پہنچی تو وہ گھبرایا ہوا اس کے پاس آیا اور کہا: چچا جان! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں چند الفاظ ایسے فرما دیجیے جن کو سن کر آپ کی قوم کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ آپ اس شخص کے دعوی کی صداقت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی کے جواب میں ولید نے مذکورہ خیال کا اظہار کیا ہے۔

۱۶ه حاکم و بیہقی۔ دیکھیں تجلیات حق، الطاف احمد اعظمی، ۱۹۷۸ء، ص ۳۰۹

۱۷ه اس سلسلے میں مولانا فراہیؒ کا کام استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۸ه نظریۃ اعجاز القرآن عند عبد القاہر الجرجانی، ص ۱۴۴

فہم قرآن میں نظم کی اہمیت

محمد عمر اسلم اصلاحی

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ، ان کے تلمیذ رشید مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور اس مکتب فکر کے دوسرے علماء اور محققین کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کے باعث نظریہ نظم قرآن اب کوئی غیر معروف نظریہ نہیں رہ گیا ہے بلکہ علم ودانش کی دنیا میں اس نے اپنا ایک مقام ومرتبہ بنا لیا ہے اور اسے احترام وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن فہمی کے ایک موثر وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے نظریہ نظم قرآن کی اہمیت وضرورت علمی حلقوں میں تسلیم کی جانے لگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں فلسفہ نظم قرآن کو سمجھنے اور اس کے اصول ومبادی سے واقفیت حاصل کرنے کے رجحان میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ اب یہ وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے کہ فلسفہ نظم قرآن کو پوری وضاحت اور صراحت سے موثر اور مدلل انداز میں بار بار بیان کیا جائے، اور قرآن فہمی کے باب میں اس کے کلیدی کردار کی توضیح وتشریح کی جاتی رہے۔ نیز اس کے تعلق سے علمی حلقوں میں جو اعتراضات اور تنقیدیں کی جاتی رہی ہیں اور اس کی اہمیت وافادیت کے سلسلہ میں جن شکوک وشبہات کا وقتاً فوقتاً اظہار کیا جاتا رہا ہے ان کا پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے تجزیہ کیا جائے، اور ان کا تشفی بخش جواب دیا جائے تاکہ ممکن حد تک ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جا سکے اور ان ذہنی تحفظات کا سد باب ہو سکے جو اب بھی قرآن فہمی کے اس اہم اور موثر ذریعہ کے استعمال کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ یہ مضمون اسی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔

نظم کی تعریف:

علامہ ابو طاہر مجد الدین فیروز آبادی نے نظم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

النظم التالیف وضم	نظم کے معنی ہیں جوڑنا اور کسی چیز کو
شئ الی شئ اخر و	دوسری چیز سے ملانا۔ نظم اللولؤ
نظم اللولؤ ینظمه	ینظمه نظما و نظّمه کے معنی ہیں
نظما و نظّمه: الفه و	کسی دھاگے میں اس طرح موتیوں
جمعه فی سلك	کو پرونا کہ ایک دوسرے سے مربوط
فانتظم و تنظم والنظام	ہو جائیں۔ اور نظام اس دھاگے
کل خیط ینظم به لولو	کو کہتے ہیں جس میں موتی اور اس طرح کی
ونحوه، ج نُظم [1]	چیزیں پروئی جاتی ہیں اس کی جمع نُظُم ہے۔

لسان العرب کے مصنف نے نظم کی وضاحت اس طرح کی ہے:

النظم! التالیف۔	نظم کے معنی ہیں ملانا اور جوڑنا۔
نظمه ینظمه نظما	نظمت اللولؤ یعنی میں نے موتی
ونظاما و نظّمه	کو لڑی میں پرو دیا۔ نظام کے
فانتظم و تنظّم و نظمت	معنی ہیں دھاگہ یا اس قسم کی
اللولؤ ای جمعته فی السلك،	کوئی اور چیز جس میں کسی چیز کو
النظام ما نظمت فیه الشئ	پروتے ہو۔ اس کی جمع انظمه،
من خیط وغیره والجمع انظمة	اناظیم اور نُظُم ہے۔
واناظیم ونظم [2]	

نظمِ قرآن:

نظم کی اس لغوی تشریح و تعبیر کے پس منظر میں نظم قرآن کا مفہوم متعین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ نظم قرآن کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید ایک مربوط اور منظم کلام ہے

اور غیر مربوط بیانات کا مجموعہ نہیں ہے۔ کلام اللہ میں تدبر کرنے والوں کے سامنے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون یا عمود ہوتا ہے اور سورہ کی تمام آیتیں اسی مرکزی مضمون کی توضیح و تشریح کرتی ہیں۔ اسی طرح جملہ سورتیں باہم مربوط ہیں اور اس طرح پورا قرآن ایک وحدت بن جاتا ہے۔ فلسفہ نظم قرآن کے سب سے بڑے ترجمان اور شارح امام فراہیؒ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:

مرادنا بالنظام ان تکون السورۃ کاملا واحدًا ثم تکون ذات مناسبۃ بالسورۃ السابقۃ و اللاحقۃ او بالتی قبلھا وبعدھا علی بعد ما، کما قدمنا فی نظم الآیات بعضھا مع بعض، فکما ان الآیات ربما تکون معترضۃ۔ وعلی ھذا الاصل تری القرآن کلّہٗ کلاما واحدا ذا مناسبۃ وترتیب فی اجزائہٖ من الاول[۳]	نظام سے ہماری مراد یہ ہے کہ پوری سورہ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہو۔ یہی نہیں بلکہ وہ سورہ یا تو اپنے ماقبل ومابعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو یا ان سے بھی پہلے اور بعد کی سورتوں سے مناسبت رکھتی ہو جیسا کہ بعض آیات کے بعض آیات کے ساتھ نظم کے سلسلہ میں اسکی وضاحت ہو چکی ہے چنانچہ جس طرح بعض آیات بطور جملہ معترضہ آجاتی ہیں، اسی طرح بعض سورتیں بھی اسی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو پورا قرآن ایک وحدت نظر آئے گا جس کے جملہ اجزاء میں شروع سے آخر تک ایک خاص طرح کی مناسبت اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

اسی نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان مرادنا من النظام	یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نظام سے
ان تکون لکل سورة صورة	ہماری مراد یہ ہے کہ ہر سورہ کی ایک
مشخصة فان معانی الکلام	مخصوص ہیئت ہوتی ہے۔ کیونکہ
ارتبط بعضها ببعض و	جب کلام کے معانی باہم دگر مربوط
جرت الی عمود واحد و	ہوں گے، کسی خاص عمود کے گرد
کان الکلام ذا وحدانیة	گردش کریں گے اور کلام میں یکجہتی
فحینئذ لایکون الا وله	ہوگی تو لازمی طور پر اسکی ایک مخصوص ہیئت
صورة مشخصة فاذا	ابھر کر سامنے آئے گی۔ اس لئے
نظرت الی الکلام من هذه	جب کلام پر اس حیثیت سے
الجهة رایت ما فیه من الجمال	غور کرو گے تو اس کا جمال، پختگی اور
والاتقان والوضوح ؎	برجستگی ابھر کر سامنے آجائے گی۔

ان تصریحات کی روشنی میں نظم قرآن کے مفہوم و مدلول کی بڑی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے اور اس کے بنیادی خدوخال سامنے آجاتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کے لئے علم مناسبت کی تعبیر اختیار کی ہے لیکن اہلِ نظر اس بات سے واقف ہیں کہ نظم اور مناسبت ایک ہی چیز کے دو نام نہیں ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں ان کے درمیان مماثلت کے کئی پہلو نظر آتے ہیں۔

قرآن فہمی کے باب میں نظم قرآن کی کلیدی اہمیت کے باوجود علماء کے درمیان یہ بڑا متنازع مسئلہ رہا ہے اور قدیم وجدید مفسرین نے اس بارے میں جن نظریات و خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگلے صفحات میں ہم دونوں مکاتبِ فکر کے نمائندہ مفسرین کی آراء کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ہم اس جائزے کی ابتدا حضرت مسلم بن یسار رحؒ کے ایک قول سے کرتے ہیں جسے ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔ اس مختصر سے بیان سے نظم قرآن کے باب میں ان کی رائے واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

اذا حدثت عن اللہ	جب تم اللہ کی طرف کوئی قول
حدیثا فقف حتی تنظر	منسوب کرو تو ذرا رک کر اس کے
ماقبلہ ومابعدہ[۳]	ماقبل ومابعد پر غور کر لو۔

اسی طرح علامہ جار اللہ زمخشری اپنی تفسیر کے مقدمہ میں درج ذیل رائے کا اظہار کرتے ہیں جس سے یہ بات پوری وضاحت سے ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ قرآن مجید کو ایک منظم اور مربوط کلام مانتے ہیں۔ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر "الکشاف" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

الحمدللہ الذی	سزاوار شکر وسپاس اور لائق مدح
انزل القرآن کلاما مولفا	وستائش اللہ کی ذات ہے جس
منظما ونزلہ بحسب	نے قرآن کو ایک منظم اور مربوط کلام
المصالح منجما و	کی صورت میں نازل فرمایا اور حسب
جعلہ بالتحمید	ضرورت جستہ جستہ نازل فرمایا۔
مفتتحا وبالاستعاذہ	تحمید سے اس کا آغاز اور استعاذہ
مختتما[۴]	پر اس کا اختتام فرمایا۔

امام فخر الدین رازیؒ صاحب "تفسیر کبیر" ان مفسرین میں شامل ہیں جو قرآنی آیات میں ربط وترتیب کے قائل ہیں۔ اس باب میں ان کے خیالات "تفسیر کبیر" کے اوراق میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان سب کا یہاں جمع کرنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ضروری۔ اس لئے ہم یہاں صرف چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن سے نظم قرآن کے باب میں ان کے خیالات ونظریات کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا۔ ایک جگہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان اکثر لطائف القرآن	بیشتر قرآنی لطائف نظم وترتیب
مودعۃ فی الترتیبات	میں پنہاں ہیں۔
والروابط[۵]	

اسی طرح آیتِ کریمہ:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (فصلت: ۴۴)	اگر ہم قرآن کو کسی عجمی زبان میں اتارتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات واضح کیوں نہیں کی گئیں۔

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت کی شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت ہے کہ کفار نے ازراہِ شرارت کہا کہ قرآن مجید کسی عجمی زبان میں کیوں نہیں اتارا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔ میرے نزدیک اس طرح کی باتوں سے قرآن مجید پر بہت بڑا اعتراض وارد ہوتا ہے اس لئے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے قرآن مجید پر ایک بہت بڑا طعن لازم آئے گا اور اس الزام کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید ایک منظم کلام ہے چہ جائیکہ اسے ایک معجز کلام ثابت کرنے کا دعویٰ کیا جائے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ یہ سورہ شروع سے آخر تک ایک مربوط کلام ہے[۴۸]"

اسی سلسلۂ بیان میں آگے فرماتے ہیں:

"ہر وہ شخص جو ہٹ دھرمی کے بجائے انصاف سے کام لے گا اسے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ جب ہم اس آیت کی تفسیر اس انداز سے کریں گے جس کی تفصیل ہم نے اوپر بیان کی تو سورہ شروع سے آخر تک ایک وحدت میں ڈھل جائے گی جس کا ایک خاص موضوع ہوگا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تفسیر اس تفسیر سے کہیں بہتر ہوگی جو عام طور سے بیان کی جاتی ہے[۴۹]"

اسی طرح علامہ کمال الدین زملکانی شافعیؒ اپنے ایک درس میں سورہ اسراء کے تسبیح اور سورہ کہف کے تحمید سے آغاز کی مناسبت اور حکمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

"جب یہ بات سورتوں کی نسبت سے ثابت ہو گئی تو پھر آیات کے ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ غور کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ایک وحدت ہے"[۱۰]

علوم القرآن پر شہرۂ آفاق تصنیف 'البرہان فی علوم القرآن' کے مصنف امام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشیؒ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مفسرین کو نظم کلام کی رعایت ہی سے آیات کے مفہوم کا تعین کرنا چاہیے خواہ اس کے لیے لغوی معنی کے بجائے اس کے مجازی معنی ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبِ کشاف جب آیت کا مفہوم سیاق کلام کی رعایت سے بیان کرتے ہیں تو اس جزم کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ گویا اس کے علاوہ وہاں کوئی اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا"[۱۱]

قرآن میں نظم و مناسبت کے قائلین میں امام برہان الدین ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعیؒ کو امتیازی مقام حاصل ہے اور ان کی تفسیر "نظم الدرر فی تناسب الآی والسور" اس موضوع پر بڑی اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ اس موضوع پر ان کے خیالات و نظریات کا کوئی مفصل تجزیہ پیش کیا جائے اس لئے ہم اس باب میں ان کے ایک مختصر اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اس سلسلہ میں ان کے اندازِ فکر اور نقطۂ نظر کا اندازہ ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں:

"قرآن کی ترتیب و مناسبت کا علم ایک ایسا علم ہے جس سے اس کے اجزاء کی ترتیب کے پیچھے کارفرما اسباب و علل کا پتہ چلتا ہے اور یہی اصل بلاغت کا راز ہے کہ مقتضائے حال کے مطابق صحیح مفہوم کی ادائگی ہو سکے۔۔۔۔۔ چنانچہ یہ ایک انتہائی نفیس علم ہے۔ اس

علم کی نسبت علم تفسیر سے ایسی ہی ہے جیسے علم البیان کی نحو سے[12]۔

امام ابن قیمؒ آیات قرآن کے درمیان مناسبت کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کلام کا حسن یہ ہے کہ خواہ کوئی شعر ہو، خط ہو یا خطبہ ان کے کلمات ابتداء سے انتہا تک ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جس کے اجزاء باہم دگر آپس میں مربوط ہوں۔ قرآن عظیم کی تمام آیات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو[13]۔"

اسی طرح علامہ ولی اللہ ملویؒ آیات قرآنی کے درمیان مناسبت کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ برسر غلط ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں مناسبت کی جستجو نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ مختلف حالات کے مطابق نازل ہوا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا نزول تو حسب حالات ہوا ہے لیکن اس کی ترتیب حسبِ حکمت ہے[14]۔"

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ صاحب "الاتقان فی علوم القرآن" نے قرآنی آیات میں مناسبت اور ربط کی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"علم مناسبت ایک بڑا با عظمت علم ہے لیکن مفسرین نے راہ کی دشواریوں کے باعث اس کی طرف کم ہی توجہ کی ہے۔ البتہ امام فخر الدین رازی نے اسکی طرف خصوصی توجہ کی ہے چنانچہ انھوں نے اپنی تفسیر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بیشتر قرآنی لطائف نظم و ترتیب میں پنہاں ہیں[15]۔"

فلسفۂ نظم قرآن کے سب سے بڑے علمبردار مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کا استقصاء اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔

اس لئے ہم یہاں صرف چند اقتباسات کو نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔
اپنی تفسیر 'نظام القرآن' کے مقدمہ میں اس کے اسباب تصنیف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ تاویل میں اختلاف عموماً نظم کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر نظم کلام واضح ہوتا اور کلام کا عمود ہمارے سامنے ہوتا تو ہم سب ایک جھنڈے تلے جمع ہوتے اور ایک بات پر متفق ہوتے۔ اس بارآور درخت کی طرح سے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہوں اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوں۔ اور ہم کتاب اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے ہوتے جیسا کہ ارشاد باری ہے:۔ "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" لیکن اس بنیادی اختلاف سے کیوں کر نجات مل سکتی ہے جب کہ صورتحال یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے گمان کے مطابق اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے حالانکہ بحمدللہ یہ رسّی اتنی مضبوط ہے کہ باطل اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا، آگے سے نہ پیچھے سے، یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو حکیم و حمید ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہر فریق اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کی تاویل کر رہا ہے اور کلام کے رخ کو اس کے اصل سیاق سے کاٹ کر جدھر چاہتا ہے موڑ دیتا ہے حالانکہ نظم ہی سے کلام کے اصل رخ کا اندازہ ہوتا ہے اور اہلِ بدعت وضلالت کی بے راہ روی اور اصحابِ تحریف کی کج روی کا سدّباب ہو سکتا ہے جن کے بارے میں ارشاد ہے: "اَلَّذِيْنَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" جو کلام کی غلط تاویل کرتے ہیں اور اس کو اس کے سیاق وسباق سے کاٹ کر اس کی من مانی تاویل کرتے ہیں۔"[19]

اسی بحث کے ضمن میں وہ مزید لکھتے ہیں:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ نظم کلام، کلام ہی کا ایک جزء ہوتا ہے چنانچہ
اگر اس سے صرف نظر کیجئے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے معنی کا ایک
حصہ جاتا رہے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ترکیب میں ایک زائد حقیقت
ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزا میں الگ الگ نہیں پائی جاتی۔
چنانچہ جو شخص فہم نظام سے محروم رہا تو وہ کلام کے مفہوم کے ایک
بڑے حصے سے محروم رہ جائے گا۔ بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے کہ اس
کا بھی وہی حال ہو جائے جو اس سے پہلے اہل کتاب کا ہوا جن کے
بارے میں ارشاد ہے: "فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَاَغْرَيْنَا
بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ"
(انھوں نے اس کا ایک بڑا حصہ فراموش کر دیا جس کے ذریعہ سے
ان کو یاددہانی کی گئی تھی چنانچہ ہم نے قیامت تک کے لئے ان کے
درمیان دشمنی اور تصادم کی آگ بھڑکا دی) سو مجھے تو یہ اندیشہ ہے کہ یہ عداوت
اور بغض جو مسلمانوں کے درمیان نظر آتا ہے اسی فراموشی کا حصہ ہو
اور اگر صورت حال یہ ہے کہ پھر نہ تو اس عداوت کی آگ ٹھنڈی
ہونے والی ہے اور نہ یہ اختلاف ختم ہونے والا ہے اور اس کا
سبب وہی ہے جو ہم نے ابتدا میں بیان کیا کیونکہ جب کلام الٰہی
کے مفہوم کے باب میں ہمارے درمیان میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ
ہماری خواہشات میں بھی اختلاف ہو کر رہے گا اور ہمارا حال اہل
کتاب جیسا ہو جائے گا۔ ان کے لئے تو ایک مرکز امید یہ نبی تھے اور یہ
قرآن جو ان اختلافات کو رفع کر سکتا تھا۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے
تو ہمارے لئے تو بس یہی کتاب محفوظ ہے [۱۴]

اسی طرح سید قطب شہیدؒ نے بعض مقامات پر جس طرح آیات کی توضیح
و تشریح کی ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وہ تفسیر قرآن میں نظم کی اہمیت پر

یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ توبہ کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس روایت کے ضمن میں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ "قلت لعثمان ما حملکم ان عمدتم الی الانفال" پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ کے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' کے بغیر رکھنے کی سب سے زیادہ مناسب توجیہ یہ روایت کرتی ہے۔ اسی طرح اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیات کو سورتوں میں ان جگہوں پر رکھنا اور اس ترتیب سے رکھنا جواب پائی جاتی ہے، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں آپ کے ارشاد کے مطابق انجام پذیر ہوا۔ اس طرح گویا مختلف سورتیں بیک وقت کھلی ہوتی تھیں چنانچہ جب کوئی آیت یا آیات کسی واقعہ کی مناسبت سے نازل ہوتی تھیں تو وہ یا تو پہلے سے موجود کسی معاملہ سے مطابقت رکھتی ہوتیں کسی حکم کی تکمیل کرتیں یا دین کے عمومی مزاج کے مطابق اس کو ڈھال رہی ہوتیں، چنانچہ اسی مناسبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سورتوں میں ان مخصوص مقامات پر رکھنے کا حکم دیتے جہاں وہ رکھی گئیں۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مختلف سورتوں میں جو آیات شامل ہیں اور سورہ میں ان کی جو مخصوص ترتیب ہے اس میں دراصل ایک خاص حکمت ہے"[۱۵]

مولانا ابوالکلام آزاد سورتوں اور آیتوں کے درمیان ربط و مناسبت کے معاملہ میں شکوک و شبہات کے اسباب و علل کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات و روابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لئے ہیں کہ فطریت سے بعد ہو گیا اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو بھی

ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں"۔[۱۹]

اسی طرح مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فہم قرآن کے تین بنیادی اصولوں (موضوع مرکزی موضوع، مدعا) پر تبصرہ کرنے کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

"ان تین بنیادی امور کو ذہن میں رکھ کر کوئی شخص قرآن کو دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ کتاب کہیں بھی اپنے موضوع اپنے مدعا اور مرکزی مضمون سے بال برابر بھی نہیں ہٹی ہے۔ اول سے لے کر آخر تک اس کے مختلف النوع مضامین اس کے مرکزی مضمون کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں جیسے ایک ہار کے چھوٹے بڑے رنگ برنگ جواہر ہار کے رشتے میں مربوط و منسلک ہوتے ہیں"۔[۲۰]

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں ربط آیات کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ 'بیان القرآن' کے خطبہ میں انھوں نے ان امور کی وضاحت کی ہے جو اس تفسیر میں ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ اس ضمن میں امر پنجم کے تحت فرماتے ہیں:

"مطالب قرآنی کی تقریر کہیں تو اس طرح کی ہے کہ مضمون کا ارتباط خود ظاہر ہو جائے یا کہیں ایک سرخی ربط کی لکھ کر اس کی تقریر کر دی گئی ہے"۔[۲۱]

پھر اسی موضوع پر ایک حاشیہ میں فرماتے ہیں:

مبنی علی اعتبار الارتباط و	یہ آیات کے درمیان ارتباط و
المناسبة فیما بین الآیات	مناسبت پر مبنی ہے۔ اور میرے
والدلیل الشافی علیہ عندی	نزدیک اس کی شافی دلیل یہ ہے کہ
انه لو لم یعتبر المناسبة	اگر ان کے درمیان مناسبت کا لحاظ
بینها لما اختلف ترتیب	نہ کیا گیا ہوتا تو تلاوت کی ترتیب
التلاوة عن ترتیب النزول"[۲۲]	نزول کی ترتیب سے مختلف نہ ہوتی۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر میں آیات کے درمیان باہمی ربط اور مناسبت کے پہلو کو ملحوظ رکھا ہے۔ ایک فصل کے تحت اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جو روش میں نے تفسیر کے متعلق اختیار کی ہے یعنی ایک سلسلہ میں سارے مضمون کو لایا ہوں اس میں علماء مفسرین مختلف ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا بیان سب مسلسل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خوامخواہ کا تکلف ہے۔ قرآن حسب موقع نازل ہوتا رہا جس موقع پر نازل ہوا اس سے بے شک مطابق ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دفعہ سارا اترا ہے جس کا سلسلہ وار بیان ضروری ہو۔
میرے خیال میں دونوں رائیں صحیح ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن کریم حسب موقع نازل ہوتا رہا اور اس موقع کا پہلے موقع سے جس پر پہلی آیت اتری تھی مطابق اور موافق ہونا بھی ضروری نہیں۔ مگر اس وجہ سے کہ سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوئی تھی تو کوئی نہ کوئی مناسبت لاحق کو سابق سے ضرور ہوگی مانا کہ اتنی نہیں جو ایک ساتھ اترنے میں ہوتی۔ آخر اس فعل نبوی کا بھی تو کچھ استحقاق ہے۔ اس لئے میں نے ایک آیت کو دوسری سے جوڑ دیا اور تلاش کرنے سے کچھ نہ کچھ مناسبت بھی پائی۔"[٩٢٣]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ دور حاضر میں تصور نظم قرآن کے سب سے بڑے علمبردار، ترجمان اور شارح ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ فلسفہ نظم قرآن کی تعبیر و تشریح میں گذرا ہے۔ نظم کے وسیلہ سے فہم قرآن کی راہ ہموار کرنے کے سلسلہ میں ان کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کا ایک عالم کو اعتراف ہے۔ انھوں نے صرف نظری اور علمی انداز میں اس فلسفہ کی توضیح و تشریح پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر تدبر قرآن، لکھ کر اس کا ایک نہایت دلآویز نمونہ علمی دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے

یہاں ہم ان کے ایک مختصر اقتباس پر مضمون کے اس حصے کو ختم کرتے ہیں۔ نظم قرآن کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے، وہ اپنی تفسیر "تدبر قرآن" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> "نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزء لاینفک ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ عظیم ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت و بلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے، اور جو فی الواقع معجزہ ہے بھی، ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ ایک سورہ کا دوسری سورہ سے کوئی ربط و تعلق ہے اور نہ ایک سورہ کی مختلف آیات ہی میں باہم کوئی مناسبت و موافقت ہے۔ بس مختلف آیات مختلف سورتوں میں بغیر کسی مناسبت کے جمع کردی گئی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہوگیا ہے جس کے متعلق دوست دشمن دونوں ہی کو اعتراف ہے کہ اس نے دنیا میں ہلچل پیدا کردی، اذہان وقلوب بدل ڈالے، فکر وعمل کی نئی بنیادیں استوار کیں اور انسانیت کو ایک نیا جلوہ دیا۔"[۴۲]

اس مختصر جائزہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فہم قرآن اور اس کے علوم و معارف اور اسرار وحکم تک رسائی کے لئے نظم قرآن کے تصور کو کتنی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن علوم قرآن کے طلبہ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس بدیہی اور غیر معمولی اہمیت کے باوجود علماء اور مفسرین کی ایک بڑی تعداد نظم قرآن کی قائل نہیں ہے اور وہ اسے ایک تکلف بیجا سے زیادہ خیال نہیں کرتے۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حقیقت یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے نظم سے انکار کیا ہے وہ بھی ایک طرح سے نظم کی اہمیت کے قائل ہیں۔ چنانچہ آیات کے مفاہیم کے تعین اور تاویل میں وہ بھی بے تکلف کلام کے سیاق وسباق کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کلام کا سیاق وسباق اسی صورت میں دلیل بن سکتا ہے جب اسے منظم اور مربوط کلام تسلیم کیا جائے۔ ایک غیر منظم اور غیر مربوط کلام کی توضیح وتشریح

کے لئے سیاق وسباق کا حوالہ ایک غیر منطقی بات ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے طور پر ہم یہاں تصور نظم کے بڑے ناقد علامہ شوکانیؒ کی مثال پیش کریں گے۔ ایک طرف تو وہ نظم قرآن کو سراسر تکلف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہت سے مفسرین نے ایک ایسے علم میں سر کھپایا جو سراسر تکلف ہے وہ ایک ایسے دریا میں گھس پڑے جس کو عبور کرنے کی طاقت ان کے اندر نہ تھی اور ایک ایسے فن میں اپنا وقت لگایا جس سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے کتاب اللہ سے متعلق ایسے امور میں محض رائے کی بنیاد پر گفتگو کرنے کا خطرہ مول لیا جو یکسر ممنوع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی موجودہ ترتیب پر مشتمل آیات میں مناسبت کی جستجو کی اور اس باب میں ایسے تکلف اور زبردستی سے کام لیا جس سے طبع انصاف پسند اباکرتی ہے اور بلغاء کا کلام بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ کلام الٰہی۔ اور انھوں نے خاص اس موضوع پر کتابیں تصنیف کر ڈالیں"[۲۵]

لیکن دوسری طرف آیات کی تاویل وتفسیر میں وہ کئی بار نظم کا سہارا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ آل عمران کی آیت

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا	اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب
إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ	آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور
بَيْنَكُمْ الخ (آل عمران: ۶۴)	تمہارے درمیان مشترک ہے۔

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیل الخطاب لاهل	ایک قول یہ ہے کہ اس میں اہل
النجران بدليل ما	نجران سے خطاب ہے اور اس آیت
تقدم قبل هٰذه الآية	سے پہلے جو کچھ مذکور رہا وہ اس کی
وقيل ليهود المدينة	دلیل ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس

وقيل لليهود والنصارى جميعًا وهو ظاهر النظم القرآني ولا وجه لتخصيصه ببعض [۲۲]	میں خطاب یہود مدینہ سے ہے یہ بھی کہا گیا کہ یہود ونصاریٰ دونوں مخاطب ہیں۔ اور یہی نظم قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ کسی ایک کے ساتھ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا (المائدہ: ۲۷)	اور انھیں آدمؑ کے دو بیٹوں کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک سنادو جب ان دونوں نے قربانی پیش کی۔

کی تفسیر میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

وجه اتصال هذا بما قبله التنبيه من الله على ان ظلم اليهود ونقضهم المواثيق والعهود هو كظلم ابن آدم لاخيه فالداء قديم والشر اصيل۔ [۲۳]	اس میں اور ما قبل کی آیت میں وجہ اتصال اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ ہے کہ یہود کا ظلم اور ان کی عہد شکنی اسی طرح کی ہے جیسے آدمؑ کے ایک بیٹے کا ظلم اپنے بھائی کے ساتھ تھا۔ چنانچہ مرض پرانا ہے اور اس برائی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ان اور ان ہی جیسی دوسری تشریحات کی روشنی میں شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ تصور نظم قرآن کے ناقدین بھی کسی نہ کسی انداز میں اور کسی نہ کسی سطح پر قرآنی آیات کی تشریح و تفہیم کے لئے نظم قرآن کے اصول کا سہارا لینے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اسکی روشنی میں بعض مشکل مقامات پر مخصوص مطالب ومفاہیم مستنبط و متعین کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔

نظم قرآن کے ناقدین اپنے موقف کی تائید وحمایت میں کئی دلائل پیش کرتے

ہیں اور ان کی مدد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نظم کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر ایک سعی لاحاصل ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک بنیادی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول پورے زمانۂ رسالت پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید تیئیس[۲۳] سال کے عرصہ میں مختلف حالات کے لئے گوناگوں احکام لے کر جستہ جستہ نازل ہوا۔ ایک ایسی کتاب جو ان حالات اور اس انداز میں نازل ہوئی اس میں نظم کی تلاش بے سود ہے چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں:

المناسبة علم حسن	مناسبت ایک عمدہ علم ہے لیکن
ولكن يشترط في حسن	کلام میں حسنِ ارتباط کی (بنیادی)
ارتباط الكلام ان يقع	شرط یہ ہے کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے
في امر متحد مرتبط	متعلق ہو جن میں اول سے آخر تک
اوله بآخره. فان	اتحاد و ارتباط پایا جاتا ہو۔ لیکن اگر
وقع على اسباب	اس کا وقوع مختلف اسباب کے
مختلفة لم يشترط	تحت ہو تو اس صورت میں ایک
فيه ارتباط احدهما بالآخر[۲۸]	کا دوسرے سے ارتباط ضروری نہیں۔

انکار نظم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نظم کی روشنی میں تفسیر کرنے کی صورت میں بہت سی ان روایات سے صرف نظر کرنا ضروری ہو جاتا ہے جو نظم کے خلاف ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسی کسی بھی تفسیر کو جس میں روایت سے استدلال نہ کیا جائے تفسیر بالرای کا نام دے دیا جاتا ہے اور ایسی تفسیر کو ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ اصولِ تفسیر کے سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما تفسير القرآن	محض رای کی بنیاد پر تفسیر قرآن
بمجرد الراى فحرام....	حرام ہے۔ اسی لئے سلف میں سے
ولهذا تحرج جماعة	کچھ لوگوں نے ایسی تفسیر کو نامناسب
من السلف عن تفسير	خیال کیا ہے جس کا انہیں علم

ما لا علم له به ۲۹ نہ ہو۔

انکار نظم کی تیسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں ہے بلکہ یہ ترتیب وہ ہے جو صحابہ کرام ؓ کے ہاتھوں انجام پائی۔ ایسی صورت حال میں جب کہ نزولی ترتیب باقی ہی نہیں رہی تو پھر اس میں کسی ربط کی توقع کیوں کر کی جا سکتی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"آیات کے درمیان مناسبت کی جستجو دراں حالیکہ مصحف کی ترتیب میں کتنی ہی آیات جن کا نزول بعد میں ہوا پہلے ہو گئی ہیں اور کتنی ہی آیتیں جن کا نزول پہلے ہوا بعد میں کر دی گئیں ہیں، دراصل ایک نامعقول بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ترتیب نزول قرآن کے مطابق نہیں ہے بلکہ دراصل یہ وہ ترتیب ہے جو جمع قرآن کے وقت ان صحابہ کرام کے ہاتھوں انجام پائی جنھوں نے اس کام کی ذمہ داری لی ۳۰"

ان دلائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں کتنا وزن پایا جاتا ہے۔ آئندہ سطروں میں ہم ان دلائل کا مختصراً تجزیہ کریں گے تاکہ ان دلائل کی صحیح قدر و قیمت ابھر کر سامنے آجائے۔

پہلی دلیل کی اساس یہ ہے کہ جو کلام کسی ایک ہی حکم کے تحت مکمل ایک ساتھ نازل نہ ہوا ہو اس میں ربط کا امکان نہیں ہے۔ اگر اس دلیل کا بغور جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس کا جواب خود اسی اعتراض میں مضمر ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ قرآن مجید مختلف حالات کے تحت مختلف اوقات میں جس طرح نازل ہوا ٹھیک اسی طرح اسے مرتب کر دیا گیا ہوتا تب تو یہ بنا اعتراض درست ہو سکتی تھی کہ ایک ایسے کلام میں جس کے مختلف اجزا گوناگوں حالات کے تحت مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہوں کوئی ربط و مناسبت کیسے ممکن ہے؟ لیکن صورتِ واقعہ تو اس کے برعکس ہے۔ اب اگر آیات کے درمیان کوئی نظم و ربط ملحوظ نہ ہوتا تو پھر اس کی نزولی ترتیب کو باقی کیوں نہیں رکھا گیا جب کہ قرآن کو منتشر اجزاء کا مجموعہ ماننے کی صورت میں بہتر ترتیب

تو وہی قرار پاتی جو نزولی ہے۔ چنانچہ ربط و نظم کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب نزولی نہیں ہے۔

قرآن مجید تو خالق ارض و سما کا کلام ہے۔ کسی انسانی علمی کاوش کو لے لیجیے، اور اس کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے تمام جملوں اور فقروں کو الگ الگ کر کے دیکھئے اور ایک جملے کا دوسرے جملے سے کسی نوع کا تعلق تسلیم نہ کیجیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے جملوں اور فقروں کو مضمون نگار یا مصنف کی متعین کردہ ترتیب کے پیشِ نظر ملا کر پڑھیے۔ ظاہر ہے مربوط فقروں سے جو معنی و مفہوم منعکس ہوگا اور قاری کے ذہن و دماغ پر جو تاثر مرتب ہوگا وہ جدا جدا فقروں میں ممکن نہیں۔ انکارِ نظم کی صورت میں کیا یہی سلوک قرآن مجید کے ساتھ روا نہیں رکھا جا رہا ہے۔

اور پھر قرآن مجید صرف ایک کتاب ہی نہیں بلکہ کتاب اللہ ہے جسے صرف مسلم ہی نہیں بے شمار غیر مسلم دانشوروں نے بھی ایک معجز کلام اور کلامِ بلاغت نظام تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جب قرآن نے عربوں کو چیلنج کیا کہ اگر تم اسے انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک آیت تو کیا بس ایک سورہ ہی پیش کر دو اور اس باب میں جس سے بھی چاہو مدد لے لو۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ (البقرة: ۲۳) تو عرب جن کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا گنگ رہ گئے اور آج تک دنیا، علم و ادب اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر ہے۔ اس اعجاز کا ایک بڑا حصہ ربط کلام میں پوشیدہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ نکتہ بھی بطور خاص ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب خود ہمارے علما نے قرآن مجید کے بارے میں اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا تو ملحدین کے لئے قرآن مجید پر اعتراض کرنے کا ایک بڑا دروازہ کھل گیا اور انھوں نے قرآن مجید پر بے نظمی اور بے ربطی کا الزام لگا دیا۔ اس کا مسکت اور تشفی بخش جواب صرف تصور نظم قرآن کے ذریعہ ممکن ہے۔

دوسری دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ ہر وہ تفسیر جس میں روایت سے استدلال نہ کیا جائے وہ تفسیر بالرای ہے اور تفسیر بالرای ناجائز ہے۔ اس باب میں یہ اصولی بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ تفسیر بالرای کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو قواعد لسان ولغت سے عدم واقفیت اور مزاج شریعت سے ناآشنائی اور کسی خاص مسلک کی تائید کی کوشش وخواہش کے باعث من مانی تاویل پر مشتمل ہو یا کسی گمراہ کن عقیدے کے اثبات کے لئے کلام الٰہی کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جائے تو بلا شبہ ایسی تفسیر بالرای مطلق ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن تفسیر بالرای کی ایک اور بھی قسم ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر کی جائے جو کلام کے سیاق وسباق کے مطابق ہو۔ اس میں فساد عقیدہ کا کوئی شائبہ نہ ہو، کلام عرب سے مستشہد ہو، اصول بلاغت اور اسالیب کلام کے مطابق ہو، نیز نصوص کتاب وسنت سے معارض نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ ایسی تفسیر حرام وناجائز نہیں بلکہ عین مطلوب ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ذہنی تحفظ کی صورت حال اتنی حساس اور پیچیدہ ہو چکی ہے کہ تفسیر بالرای کا نام آتے ہی ذہن فوراً ہی نامحمود تفسیر بالرای کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ مفسر بھی جو محمود تفسیر بالرای کے میدان میں عرق ریزی کرتا ہے طعن وتشنیع کا مورد قرار پاتا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جن کے قول سے تفسیر بالرای کے ناجائز ہونے پر استشہاد کیا جاتا ہے اپنی اسی کتاب میں اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے:

فهذه الآثار الصحيحة	چنانچہ یہ اور اس طرح کے دوسرے
وما شاكلها عن ائمة	آثار صحیحہ جو ائمہ سلف سے منقول ہیں
السلف محمولة على	اس بات پر محمول کئے جائیں گے
تحرجهم عن الكلام	کہ دراصل انھوں نے ان لوگوں کیلئے
في التفسير بما لا علم	تفسیر کے باب میں کلام کرنا مناسب
لهم به فاما من تكلم	نہیں سمجھا ہے جنھیں تفسیر کا سرے سے کوئی علم ہی

بمایعلم من ذالك	نہیں رہے وہ لوگ جن کو اس باب
لغة وشرعا فلاحرج	میں زبان و شریعت کا علم حاصل
علیه۔[31]	ہو تو ان کے کلام کرنے میں کوئی
	مضائقہ نہیں۔

حالانکہ یہ مفہوم نا محمود تفسیر بالرای کے سلسلہ میں 'بمجرد الرای' کے الفاظ کے استعمال سے واضح تھا۔ غالباً اسی الجھاؤ کی وجہ سے ابوالکلام آزاد کو یہ وضاحت کرنی پڑی کہ تفسیر بالرای کا مطلب سمجھنے میں لوگوں سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ تفسیر بالرای کی ممانعت سے مقصود یہ نہ تھا کہ قرآن مجید کے مطالب میں عقل و بصیرت سے کام نہ لیا جائے کیونکہ اگر یہ مطلب ہو تو قرآن کا درس و مطالعہ ہی بے سود ہو جائے گا۔ حالانکہ خود قرآن کا حال یہ ہے کہ اول سے لے کر آخر تک تعقل و تفکر کی دعوت ہے اور ہر جگہ مطالبہ کرتا ہے کہ

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

دراصل تفسیر بالرای میں "رای" لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ "رای" مصطلحہ شارع ہے اور اس سے مراد ایسی تفسیر ہے جو اس لئے نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے بلکہ اس لئے کی جائے کہ ہماری کوئی ٹھہرائی ہوئی رائے کیا چاہتی ہے اور کس طرح قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق کر دیا جا سکتا ہے۔[32]

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ اسباب و عوامل کیا تھے جن کے زیر اثر علماء مفسرین نے تفسیر بالرای کے باب میں اتنا سخت اور بے لچک موقف اختیار کیا اور فکر اسلامی پر عموماً اور تفسیری فکر پر خصوصاً اس مخصوص انداز فکر و نظر کے کیا اثرات و نتائج مرتب ہوئے۔ مولانا فراہیؒ نے اس پوری صورت حال پر ایک فکر انگیز تبصرہ کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس سے پوری صورت حال کی وضاحت ہو جائے گی وہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب اہل سنت نے یہ دیکھا کہ اہل بدعت اور ارباب باطل قرآن کی

من مانی تاویل کرنے لگے ہیں اور نصوصِ قرآنی کو ان کے معنی مراد کے علاوہ دوسرے معانی پر محمول کرتے ہیں تو انھوں نے تفسیر قرآن کے باب میں صحابہ کرام اور تابعین سے مروی آثار کے علاوہ کسی اور چیز سے اشتغال میں سخت مضائقہ محسوس کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے ان کا مقصد محض فتنہ کا سدِ باب تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کا یہی طریقہ تھا بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تاویل کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے، جو حق وباطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ سکے تو پھر رائ محض پر روک نہیں لگائی جا سکتی۔ جہاں تک صحابہ اور تابعین کا معاملہ ہے تو انھوں نے قرآن کی تاویل علم اور صحیح نقطۂ نظر سے کی۔ اور اگر ہم ان اصول کی جستجو کریں جن پر وہ کاربند رہے تو وہ ہمارے لئے کتاب پر تدبر کا بہترین نمونہ ثابت ہوں گے۔ اہلِ تاویل نے ان کے اقوال کا ایک حصہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن انھوں نے ان کے اصول تدبر کو منضبط نہیں کیا حالانکہ اس کی شدید ضرورت تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ آیات میں نہایت صراحت کے ساتھ قرآن پر تدبر کو واجب قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ترغیب دیتے رہے اور صحابہ کرامؓ کو تدبر قرآن اور استنباط مسائل کا طریقہ بھی سکھایا اور یہ آپ کے فرائضِ منصبی میں شامل تھا۔

لیکن جب لوگوں کے ذہن ودماغ میں یہ خیال جم گیا کہ جو چیز بھی سلف سے مروی نہ ہو وہ رائ محض ہے تو یہ چیز تدبر وتفکر کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن گئی۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس فرق کی وضاحت کر دی جائے جو ممنوع تفسیر بالرای اور سلف کے طریقہ میں پایا جاتا ہے جنھوں نے قرآن پر غور وفکر کیا اور یہ بیان کر دیا جائے کہ کتاب اللہ میں فکر وتدبر کی کتنی سخت ضرورت ہے۔

یہ کس قدر عجیب بلکہ دردناک حقیقت ہے کہ خود اہل حق کے یہاں حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ باطل کیلئے حمایت کا جذبہ محسوس کرتے ہیں اور واضح دلیلوں کے باوجود دن کے بھرے اجالے میں ٹھوکر کھاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات مشہودہ و متلوۃ میں غور وفکر کو حرام قرار دیدیا اور سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت قرار دیدیا حالانکہ انھیں خوب معلوم ہے کہ قرآن مجید دونوں ہی پر فکر و تدبر پر ابھارتا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن پر تدبر کرتے تھے اور اپنے نتائج فکر بیان کرتے تھے اور وہ ان سے نقل بھی کیے جاتے ہیں۔[۴۳]

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا عدم قائلین نظم کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں انجام پائی ہے اور یہ ترتیب ترتیبِ نزولی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے خیال میں قرآن مجید کی ان آیات میں جواب مقدم رکھی گئی ہیں حالانکہ ان کا نزول بعد میں ہوا ہے اور ان آیات میں جو موجودہ ترتیب میں موخر ہیں حالانکہ نزولی لحاظ سے وہ مقدم ہیں بھلا کیونکر کسی طرح کا ربط پایا جاسکتا ہے۔ اس استدلال کی بنیاد اس مفروضے پر قائم ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام دورِ صحابہ میں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں انجام پایا۔ اور غالباً اسی وجہ سے نظم کے باب میں یہ اشکال پیدا ہوا۔ حالانکہ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام عہدِ نبوت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی و رہنمائی میں انجام پذیر ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مہبطِ وحی کے علاوہ کسی اور کے ہاتھوں اس کام کی انجام دہی ممکن ہی نہیں تھی۔ دورِ صدیقی میں حفاظتِ قرآن کے سلسلہ میں ایک بڑا عظیم الشان کام یہ انجام پایا کہ قرآن مجید کو ترتیبِ نبوی کے مطابق ایک مصحف میں جمع کر دیا گیا اور دورِ عثمانی میں جب اسلامی حکومت کی وسعت پذیری کے باعث لہجات میں فرق و اختلاف کی وجہ سے قرأت قرآن کے باب میں ایک بڑے اختلاف کا دروازہ کھلنے کا امکان پیدا ہو گیا تو اس مصحف کے متعدد نسخے

تیار کئے گئے اور انھیں اسلامی مملکت کے اطراف واکناف میں بھیجا گیا اور اس طرح پوری امتِ مسلمہ کو ایک قرأت پر مجتمع کر دیا گیا۔ اور آج تک پوری امت اسی ترتیب اور اسی قرأت پر مجتمع ہے۔ حفاظتِ قرآن کے باب میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمات اور مساعی جمیلہ غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں لیکن یہ بنیادی نکتہ نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن کی جمع وترتیب جیسا اہم بالشان کام صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تکمیل پذیر ہو سکتا تھا اس لئے کہ کتاب اللہ کی تدوین وترتیب حکم الٰہی کے مطابق ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ترتیبِ قرآن کی بنیاد پر نظم قرآن کے انکار کی کوئی مضبوط اساس نہیں ہے۔

جمع وترتیبِ قرآن کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا یہ وہی بات ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نصوصِ قرآنی شاہد ہیں کہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب اسی اصل ترتیب کے مطابق ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے۔ ارشاد باری ہے:

كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَآءَ	ہر گز نہیں، یہ ایک یاددہانی ہے،
ذَكَرَهُۥ ۝ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝	پس جو چاہے اس سے یاددہانی حاصل
مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝ بِأَيْدِى	کرے، یہ باعزت، پاک اور بلند
سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝	صحیفوں میں معزز اور نیک کاتبوں
(عبس: ۱۱-۱۶)	کے ہاتھوں میں ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّا جَعَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا	ہم نے اسے عربی قرآن بنا کر اتارا ہے
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَإِنَّهُۥ	تاکہ تم سمجھو اور بے شک یہ اصل کتاب
فِىٓ أُمِّ ٱلْكِتَٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِىٌّ	میں ہمارے پاس ہے نہایت بلند
حَكِيمٌ ۝ (الزخرف: ۳-۴)	اور پر حکمت۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ۝ فِى	بلکہ یہ بڑے مرتبہ کا کلام ہے، لوحِ

لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج:۲۱،۲۲) محفوظ میں ہے۔

اسی سلسلہ میں سورہ قیامہ میں ارشاد ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامہ: ۱۶-۱۹)	اس کو جلد سیکھ لینے کے لئے اس کے پڑھنے میں اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا۔ تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا۔

ان آیات کی روشنی میں یہ بات ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے کہ اس کی جمع وترتیب حکم خداوندی کے مطابق ہوئی ہے جو ظاہر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں انجام پا سکتی تھی۔

احادیث وروایات کی روشنی میں بھی یہی بات ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

عن عثمان بن ابی العاص قال: كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسا اذ شخص ببصره ثم صوّبه حتى كاد أن يلزقه بالارض قال ثم شخص ببصره فقال: اتانی جبریل علیه السلام فامرنی ان اضع هٰذه الآية بهذا الموضع من هذه السورة "ان تذكرون" ان الله يامر	عثمان بن ابوالعاصؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک آپ نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں پھر جھکا لیں اس حد تک کہ لگتا تھا کہ زمین سے جا لگیں گی۔ پھر آنکھیں اٹھائیں اور فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں جگہ رکھ دوں "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ

بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون[۳۴]

بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

عن ابن الزبیر قال: قلت لعثمان بن عفانؓ " والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا" قال: قد نسختها الآیۃ الاخریٰ فلم تکتبها؟ او تدعھا؟ قال یا ابن اخی! لا اغیّر شیئًا منہ من مکانہ۔[۳۵]

ابن زبیرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ انھوں نے عثمان بن عفانؓ سے کہا کہ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا" کو ایک دوسری آیت منسوخ کر چکی ہے تو آپ نے کیوں لکھا ہے یا باقی رکھ چھوڑا ہے ہیں انھوں نے فرمایا کہ بھتیجے میں اس میں سے کسی چیز کو بھی اس کی جگہ سے بدل نہیں سکتا۔

وعن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ انہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمّا تنزل علیہ الآیات فیدعو بعض من کان یکتب لہ ویقول لہ: ضع ھذہ الآیۃ فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا وکذا او تنزل علیہ الآیۃ والآیتان فیقول مثل ذالک۔[۳۶]

عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب آیات کا نزول ہوتا تھا تو آپ کسی کاتب وحی کو طلب فرماتے اور ان سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں رکھدو جہاں اس اس طرح سورہ کا ذکر ہے اسی طرح جب ایک اور دو آیتیں نازل ہوتیں تو آپ ایسے ہی فرماتے۔

اسی وجہ سے علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآنی آیات وسور کی موجودہ

ترتیب من جانب اللہ ہے۔ چنانچہ امام زرکشیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاما الأیات فی کل سورة ووضع البسملة فی اوائلها فترتیبها توقیفی بلاشك ولاخلاف فیه ولهذا لایجوز تعکیسها[٣٧]

ہر سورہ کی آیات کی ترتیب اور ان کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہونا توقیفی ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا الٹ پھیر جائز نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الاجماع والنصوص المترادفة علیٰ ان ترتیب الأیات توقیفی ولاشبهة فی ذالك[٣٨]

اجماع اور مترادف نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

اسی طرح قاضی ابوبکرؒ فرماتے ہیں؛

ترتیب الأیات امر واجب وحکم لازم فقد کان جبریل یقول، ضعوا اٰیة کذا فی موضع کذا[٣٩]

ترتیب آیات کی حیثیت امر واجب اور حکم لازم کی ہے کیونکہ جبریلؑ فرماتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔

اس مختصر گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید کی جمع و تدوین خود مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر نگرانی تکمیل پذیر ہوئی اور اس کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ چنانچہ نظم قرآن پر اعتراض کی یہ اساس نہ صرف سخت ناپائدار ہے بلکہ اس سے خود بخود یہ بات ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آیات و سور کے درمیان ربط و نظم ایک امر بدیہی ہے۔

حواشی

لہ علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب شیرازی فیروز آبادی، القاموس المحیط، لکھنؤ، نول کشور، ج ۴، ص ۱۴

عہ ابوالفضل جمال الدین مصری، لسان العرب، دار صادر بیروت ۱۹۵۶ء، ج ۱۲، ص ۵۷۸۔

۳ امام حمید الدین فراہی، رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن (المجموعۃ الاولیٰ) مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر الدائرۃ الحمیدیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۸۷ ۴ حوالہ سابق

۵ علامہ ابن کثیر، عمدۃ التفسیر، جلد اول، ص ۸۴ بحوالہ ڈاکٹر محمد عنایت اللہ سبحانی، امعان النظر فی نظام الآی والسور، (تحقیقی مقالہ برائے ماجستر) مخطوطہ، ص ۲۷۔

۶ علامہ جار اللہ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، ج ۱، ص ۳۔۴۔

۷ امام بدر الدین محمد بن عبداللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ۔ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاہ ۱۹۵۷ء، جلد ۱، ص ۳۶۔

۸ امام فخر الدین رازی، التفسیر الکبیر، ج ۷، ص ۱۳۲۔ ۹ حوالہ سابق، ص ۱۳۴۔

۱۰ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۳۹۔ ۱۱ حوالہ سابق، ص ۳۱۷۔

۱۲ امام برہان الدین ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور ج ۱، ص ۶

۱۳ امام ابن قیم، کتاب الفوائد، ص ۲۲۴۔ ۱۴ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۳۷۔

۱۵ امام جلال الدین السیوطی، کتاب الاتقان فی علوم القرآن، الطبعۃ الاولیٰ، جلد ۲، ص ۱۰۸۔

۱۶ امام حمید الدین فراہی، فاتحہ تفسیر نظام القرآن، مدرسۃ الاصلاح، سرائمیر، دائرہ حمیدیہ ص ۳۔

۱۷ حوالہ سابق، ص ۳۔۴۔ ۱۸ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی و شرکاہ، الطبعۃ الاولیٰ، جلد ۱۰، ص ۳۴۔۳۵۔

۱۹ ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، دہلی، ساہتیہ اکیڈمی ۱۹۸۹ء۔ جلد ۱، ص ۳۵۔

۲۰ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، دہلی، مرکزی مکتبہ اسلامی، گیارہواں ایڈیشن، ۱۹۷۹ء، جلد ۱، ص ۲۰۔ ۲۱ مولانا اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ج ۱، ص ۵۔ ۲۲ حوالہ سابق۔

۲۳ مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر ثنائی

۲۴ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۸۹ء جلد ۱، ص ۱۷۔

۲۵ علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ ۱۹۶۴ء ج ۱، ص ۷۲۔۷۳۔ ۲۶ حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۸۴۳۔

۲۷ حوالہ سابق، جلد ۲، ص ۳۰۔ ۲۸ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۰۔

۲۹؎ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام، دارالعربیہ، بیروت ۱۳۹۸ھ ج ۱۳ ص ۳۷۰-۳۷۱

۳۰؎ فتح القدیر، ج ۱، ص ۴۷۔ ۳۱؎ مجموع فتاوی شیخ الاسلام، ج ۱۳، ص ۳۷۰

۳۲؎ ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۴۴۔ ۳۳؎ رسائل الامام الفراہی (المجموعۃ الاولیٰ)

ص ۲۱۸-۲۱۹۔ ۳۴؎ مسند الامام احمد بن حنبل، جلد ۴، ص ۲۱۸،

بحوالہ امعان النظر فی نظام الآی والسور (مخطوطہ)

۳۵؎ صحیح بخاری، ج ۲، باب قولہٗ والذین یتوفون منکم الخ

۳۶؎ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ رقم ۷۸۶، بحوالہ امعان النظر فی نظام الآی والسور، ص ۸۳۔

۳۷؎ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۵۶۔ ۳۸؎ الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۶۲۔

۳۹؎ البرہان فی علوم القرآن، جلد ۱، ص ۲۵۶۔

امام ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری رجحانات

کا تقابلی مطالعہ

محمد مسعود عالم قاسمی

امت مسلمہ کے مصلحین، مفکرین اور مجددین کی مختصر فہرست بھی مرتب کی جائے تو شیخ الاسلام علامہ تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ (ولادت ۶۶۱ھ وفات ۷۲۸ھ) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ) کا نام اس میں ضرور شامل ہوگا۔

یہ دو عبقری علما، اگرچہ دو مختلف ملکوں میں پیدا ہوئے اور زمانی لحاظ سے بھی ان دونوں کے درمیان کم و بیش ساڑھے چار صدیوں کا فاصلہ ہے مگر زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود ان دونوں بزرگوں کے افکار و خیالات، علمی خدمات، اصلاحی جدوجہد اور کسی حد تک حالات و کوائف میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان دونوں علماء کی حیات و خدمات کا جائزہ لینے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یکساں کام اور یکساں انجام پسند فرمایا تھا۔ یہ دونوں حضرات اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے ایک ہی جذبہ سے بیتاب ہو کر اٹھے اور دونوں کو ایک ہی جیسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، دونوں ہی تنگ نظر عالموں اور گمراہ صوفیوں کے تیر حسد کا نشانہ بنے اور دونوں کو حکام وقت کی طرف سے اذیتیں دی گئیں۔ اسلامی علوم و فنون پر دونوں کو عبور حاصل تھا اور دونوں کی خدمات اسلامی موضوعات پر گراں قدر ہیں۔ دونوں حضرات نے قرآن و سنت کو امت مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اساس بنانے پر زور دیا اور اس کے لئے فکری و عملی جدوجہد کی اور ان دونوں حضرات نے علماء کی ایسی جماعت تیار کی جو ان کے بعد منارہ نور اور مرجع خلائق ثابت ہوئی۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ، حافظ اسماعیل ابن کثیر، شمس الدین الذہبی، عبدالہادی اور ابو عبداللہ ابن رشیق وغیرہم جیسے نابغہ روزگار اگر ابن تیمیہؒ

کے فیض یافتہ تھے تو شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، سید مرتضیٰ زبیدیؒ اور شاہ اہل اللہ پھلتی جیسے جید علماء شاہ ولی اللہؒ کے تربیت یافتہ تھے۔

غرضیکہ دونوں اہل علم میں مماثلت و یکسانیت کے بہت سے پہلو موجود ہیں جن پر گفتگو کی ضرورت ہے مگر اس مماثلت کے باوجود بعض امور اور مسائل ایسے بھی ہیں جن پر دونوں کے خیالات اور فکری منہج میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ابن تیمیہؒ مروجہ تصوف کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں اور اسے دین میں بدعت شمار کرتے ہیں جب کہ شاہ ولی اللہ تصوف کے حامی ہی نہیں اس کے حامل بھی ہیں۔ اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں بھی فرق پایا جاتا ہے جن کو نظر انداز کر کے دونوں کے انداز فکر سے صحیح واقفیت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

ہندوستان میں ابن تیمیہؒ کا تعارف اس طرح نہیں ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے، یہاں کے علماء، صوفیاء اور مشائخ کے درمیان ان کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں، بلکہ بہت سے دینی اور علمی حلقوں میں یہ غلط فہمیاں آج بھی موجود ہیں۔ یہاں تک کہ بعض تنگ نظر اور شدت پسند عالموں نے ان کی تضلیل و تکفیر سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے مرحوم صدر مدرس مولانا سید حسین احمد مدنی اپنے درس میں ابن تیمیہؒ کو گمراہ قرار دیا کرتے تھے اور مولانا شمس الدین افغانی (مسکونہ سورت گجرات) نے "الجواہر البہیہ فی شرح شرح عقائد نسفی" میں تقریباً تیس مقامات پر ابن تیمیہؒ کو الخبیث اللعین اور الملحد الزندیق جیسے نازیبا القاب سے نوازا ہے [1]

ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی نظر میں

شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کے عہد یعنی بارہویں صدی ہجری میں بھی ابن تیمیہؒ کے متعلق عام ہندوستانی علماء کی رائے کم و بیش یہی تھی، ان کی بعض توجیہات اور تفردات کی بنا پر ان کی دینی شخصیت اور اسلامی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا اور ان کو گمراہوں کے طبقہ میں داخل کر دیا گیا تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے ابن تیمیہؒ کے سلسلہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا، علمی اور دینی نقطۂ نظر سے ان کا دفاع کیا اور

اسلام کے داعی و مبلغ اور متقی عالم کی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا۔ چنانچہ شیخ معین الدین ٹھٹھوی نے جب شاہ ولی اللہ سے دریافت کیا کہ ابن تیمیہ کے سلسلہ میں کیا خیال اور عقیدہ رکھنا چاہیے تو اس کے جواب میں شاہ صاحب نے تفصیل سے ابن تیمیہؒ کے علمی مقام، دینی خدمات اور شخصیت پر روشنی ڈالی اور ان پر کیے گئے اعتراضات کا مدلل جواب دیا۔ انھوں نے لکھا کہ:

"وہ تمام علما، اسلام جو کتاب و سنت اور فقہ کے حاملین ہیں اور اہل سنت کی طرف سے دفاع اور اس کی حفاظت اور حمایت کرتے ہیں ان سب کے بارے میں خود میرا عقیدہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تمام مسلمان ان کے بارے میں یہی عقیدہ رکھیں کہ وہ سب عدول ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعدیل فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ "ہر دور کے عادل لوگ اس دین کے حامل ہوں گے" اگرچہ ان میں سے بعض ایسی چیزوں کے قائل ہوں جن سے اتفاق نہ ہو بشرطیکہ ان کا یہ قول نصوص کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف نہ ہو اور اس کی احتمال ہی کے درجہ میں گنجائش ہو، پھر خواہ یہ قول اصول وعقائد کے باب میں ہو یا فقہی مباحث میں یا وجدانی حقائق کے سلسلہ میں۔ اسی بنیاد پر شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ مجدد احمد بن عبدالاحد سرہندی کے بارے میں ہم اس کے قائل ہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے ہیں اور ہم ان باتوں کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے جو ان دونوں بزرگوں کے خلاف کہی جاتی ہیں چنانچہ یہی معاملہ ابن تیمیہؒ کا ہے، ہمیں ان کا یہ حال بتحقیق معلوم ہے کہ وہ عالم کتاب اللہ تھے اس کے لغوی اور شرعی معانی پر ان کو عبور حاصل تھا۔ احادیث نبوی اور آثار سلف کے وہ حافظ تھے، مذہب حنابلہ اور اس کے اصول و فروع کے قلم کار تھے، بڑی طلاقت اور بلاغت کے ساتھ عقیدہ اہل سنت کی طرف سے دفاع کرتے تھے، فسق و بدعت کے قبیل کی کوئی بات بھی ان سے منقول نہیں، سوائے ان چند باتوں کے جن کی وجہ سے ان کو تنگ کیا گیا اور تکلیف

پہونچائی گئیں۔ اور ان میں کوئی ایک بات یا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس
کے لئے ان کے پاس کتاب وسنت اور آثارِ سلف میں سے کوئی دلیل نہ ہو۔ پس
ابنِ تیمیہؒ جیسا کوئی آدمی پورے عالم میں ملنا مشکل ہے[1]

ابنِ تیمیہؒ کا جو مقام اور مرتبہ شاہ ولی اللہؒ کے یہاں ہے وہ مذکورہ اقتباس سے بخوبی ظاہر ہے، بعض جزئیات میں علمی اختلاف کے باوجود شاہ صاحب ان کے قدرشناس اور مداح معلوم ہوتے ہیں خاص طور سے کتاب اللہ سے ان کی وابستگی اور اس کے لغوی وشرعی معانی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ذیل میں ہم ان دونوں بزرگوں کی قرآن فہمی، تفسیری مناہج اور قرآنی خدمات کے بعض پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ابنِ تیمیہؒ کی قرآن فہمی

جہاں تک ابن تیمیہؒ کی قرآن فہمی کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ اپنے عہد کے ممتاز مدرس اور مفسر قرآن ہیں۔ ابنِ تیمیہؒ کا قرآنی ذوق ان کی محنت کے علاوہ آبائی ورثہ بھی تھا ان کے والد عبدالحلیم تیمیہؒ اپنے زمانہ کے نامور عالمِ دین اور مفسر قرآن تھے، وہ حران (شام) کی جامع مسجد میں ہر جمعہ کو قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے، ابن تیمیہؒ نے کم سنی میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، پھر قرآن سے ان کو اتنا شغف ہوگیا کہ قرآن ان کے علمی مشاغل کا مرکز ومحور بن گیا بکثرت قرآنیات کا مطالعہ کیا بقول ان کے تفسیر قرآن سے متعلق چھوٹی بڑی ایک سو سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا تھا[2]

ان کے والد کا جب انتقال ہوا تو ابن تیمیہؒ کی عمر بائیس (۲۲) سال تھی انھوں نے درس قرآن کے پدرانہ سلسلہ کو برقرار رکھنے کے لئے. ا صفر ۶۸۳ھ کو نماز جمعہ کے بعد دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تدریس وتفسیر شروع کی، یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری رہا۔ ابن تیمیہؒ کا درس قرآن کس قدر مدلل، مبسوط اور علمی ہوتا اور عوام اس سے کس قدر متاثر ہوتے اس کا اندازہ مشہور مفسر قرآن علامہ حافظ اسماعیل ابن کثیرؒ کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

کان یجتمع عندہ الخلق الکثیر — وہ اپنے درس میں دیانت اور زہد وبندگی

والجمع الغفير ما كان يورد من العلوم	کے ساتھ جو متنوع علوم پر روشنی ڈالتے
المتنوعة المحررة مع الديانة	اس کی وجہ سے ان کے پاس مخلوق کا
والزهادة والعبادة صارت	جم غفیر جمع ہو جاتا تھا اور تمام دنیا کے
بذکرہ الرکبان فی سائر الاقالیم	قافلوں میں اس کا چرچا تھا
والبلدان علیٰ ذالك مدة سنين	یہ سلسلہ طویل مدت تک جاری رہا۔
مطاولة[۲۶]	

ابن تیمیہؒ قرآن کریم کے الفاظ و معانی پر دسترس حاصل کرنے اور اس کے مفاہیم و مطالب کو حاصل کرنے کے لئے بڑی محنت اور جانفشانی کرتے تھے، اس تحصیل قرآن کی طرف ابن تیمیہ نے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے:

ربما طالعت علی الآیة الواحدة	بسا اوقات میں ایک آیت کے
نحو مائة تفسیر ثم اسال	لئے تقریباً ایک سو تفسیروں کا مطالعہ
الله الفهم واقول يا معلم	کرتا پھر اللہ سے فہم قرآن کی دعا کرتا اور
ابراهيم علمني وكنت	کہتا اے ابراہیمؑ کے معلم مجھے بھی علم
اذهب الى المساجد المهجورة	عطا کر، میں ویران مسجدوں اور ان
ونحوها وامرغ وجهي في	جیسے دیگر مقامات میں جاتا اور اپنا
التراب واسال الله تعالیٰ و	چہرہ خاک میں رگڑتا اور اللہ تعالیٰ سے
اقول يا معلم ابراهيم فهمني[۲۷]	دعا کرتا اور کہتا اے ابراہیم کے معلم مجھے
	بھی قرآن کا فہم عطا کر۔

قرآن فہمی کے لئے ابن تیمیہ کا یہ جذبہ بیتاب جو کبھی ان کو غیر آباد مسجدوں میں لے جاتا ہے اور کبھی خاک میں اپنا چہرہ رگڑنے پر مجبور کرتا ہے اور کبھی دست بستہ اللہ کے حضور میں لا کھڑا کرتا ہے دراصل قرآن سے والہانہ وابستگی اور قرآنی مطالب سے قلبی لگاؤ کا ثبوت مہیا کرتا ہے اور ابن تیمیہؒ کی شخصیت کو مستند اور معتبر بنا دیتا ہے

خصوصیت کے ساتھ اپنی آخری اسیری میں جو ان کی وفات پر منتہی ہوئی۔ قرآن کی تلاوت

اور تدبر معانی میں وہ منہمک رہتے۔ کیونکہ قرآن ہی قید و بند کی تنہائی میں ان کا رفیق اور وحشتِ غم کا انیس تھا وہ خود ہی کہتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اس قید میں مجھ پر قرآن کے بہت سے وہ معانی اور اصولِ علم منکشف کر دیے جن کی بہت سے علماء آرزو کیا کرتے تھے، اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے زندگی کا بیشتر وقت غیر معانی قرآن میں کیوں صرف کر دیا۔"[۱۱]

قرآن ابن تیمیہؒ کی علمی زندگی کا میزان تھا اور سماجی زندگی کی شناخت بن چکا تھا چنانچہ جب ابن تیمیہؒ کا انتقال ہوا تو نمازِ جنازہ کے لئے یہ صدا دے کر لوگوں کو بلایا گیا "الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن" علامہ اقبال کی زبان میں ان کا مقام یہ تھا:

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ابن تیمیہؒ کا قرآن سے والہانہ لگاؤ اور جذبہ صادق ان کی تفسیر میں بھی پنہاں محسوس ہوتا ہے جسے پڑھتے ہوئے قاری کے دل میں علم و معرفت کی چنگاری بھی سلگتی ہے اور داعیانہ جوش وامنگ بھی پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تفسیری جدوجہد کا اہل علم کے نزدیک کتنا وزن اور مقام ہے اسے ابوزہرہ کی زبانی سنیے:

فاما الذی اثر عنه نماذج	قرآن کی جو تفسیر ابن تیمیہؒ سے منقول
جیدة للتفسیر السلفی قد اختلط	ہے وہ تفسیر سلفی کا عمدہ نمونہ ہے جس
بعمق النظر وسلامة الذوق	میں نظر کی گہرائی اور ذوق کی سلامتی
من غیر ان یطغی النظر علی الاثر	بھی شامل ہے، بغیر اس کے کہ نظر آثار
ولا ان یختفی الفکر المستقیم	پر حاوی کر کھا جائے اور فکر مستقیم
بین مختلف الروایات وشتی	مختلف نقول اور روایات میں گم ہو جائے،
المنقول بل انک لتری عقله	بلکہ آپ دیکھیں گے کہ ان کی متفکر اور
المتفکر المتدبر یلمح وراء الروایات	مدبر عقل آثار و روایات کے پیچھے چمکتی
فی مزدحم الاثار ومن وراء ذلک	نظر آتی ہے ان کی ماثور تفسیروں میں

الماثور الذی نقروه وتفسیر سورة	جن کو ہم پڑھتے ہیں سورۃ الصمد،
الصمد وتفسیر المعوذتین وتفسیر	معوذتین اور سورۃ النور کی تفسیر ہے۔
سورة النور ۴۸	

شیخ ابوزہرہ کے تجزیہ سے ہر وہ شخص اتفاق کرے گا جس نے ابن تیمیہؒ کی تفسیر کا حقیقت پسندی سے جائزہ لیا ہو، ابن تیمیہ کا ذہن رسا بظاہر سادہ سی آیت سے ایسے معانی ومطالب کا سراغ لگا لیتا ہے جس کی طرف عام طور پر مفسروں کا ذہن نہیں جاتا اور قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ روایات وآثار سے بھی رشتہ برابر قائم کئے رہتا ہے۔ علامہ شمس الدین الذہبیؒ ابن تیمیہؒ کی قرآنی فکر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

برع فی تفسیر القرآن وغاص	تفسیر قرآن میں امتیاز حاصل کیا اور
فی دقیق معانیہ بطبع سیال	اس کے معانی کی باریکیوں میں ڈوب
وخاطر الی مواقع الاشکال	کر غور کیا اپنی رواں طبیعت کے ذریعہ
واستنبط منہ اشیاء	اور اعتراض کے مقامات پر توجہ دی اور
لم یسبق الیھا ۴۹	اس سے ایسی چیزیں مستنبط کیں جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی تھی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ابن تیمیہؒ کی تفسیر کی بڑی خصوصیت یہ لکھی ہے کہ اس کا زندگی سے ربط ہے، مصنف آیاتِ الٰہی کو اپنی گرد وپیش کی زندگی اور اپنے معاصر انسانوں پر پیش کرتا ہے اور ان آیات کے نقطہ نظر سے زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اپنے ہم عصروں اور امت کے مختلف طبقوں کا احتساب کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ ان آیات وحقائق سے زندگی میں کہاں انحراف ہو رہا ہے اور اس کے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں ۵۰

ابنِ تیمیہؒ کا تفسیری سرمایہ

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ابن تیمیہؒ نے قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھی تھی جو اب دستیاب نہیں ہے چنانچہ ابن بطوطہ کا خیال ہے کہ ابن تیمیہؒ نے چالیس جلدوں میں قرآن کی مکمل تفسیر لکھی

ہے اور یہی رائے مشہور مستشرق بروکلمان کی بھی ہے[۵۹] مگر یہ خیال غلط ہے اور اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ ابوحیان اندلسیؒ کو ابن تیمیہؒ سمجھ لیا گیا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ابن تیمیہؒ کی تیس جلدوں پر مشتمل تفسیر کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے ضائع ہونے پر افسوس کا اظہار کیا ہے[۶۰]۔ مگر یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ ابن تیمیہؒ نے صرف اپنی یادداشت کے لیے مفسرین سلف کے اقوال کو تیس جلدوں میں جمع کیا تھا[۶۱]۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں لکھی اور وہ اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان کے سامنے بہت سی طویل اور مختصر تفسیریں موجود تھیں۔ البتہ ان تفسیروں میں وہ بعض خامیاں محسوس کرتے تھے جن کی تلافی ان کی نظر میں ناگزیر تھی۔ اسی نقطہ نظر سے انھوں نے بعض سورتوں اور آیتوں کی تفسیر لکھی۔ ابن تیمیہؒ کے شاگرد ابوعبداللہ ابن رشیق نے سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے قرآن کی مکمل تفسیر لکھنے کی درخواست کی تو ابن تیمیہؒ نے حسب ذیل جواب دیا:

"قرآن کا کچھ حصہ بجائے خود واضح ہے کچھ حصہ کی مفسرین نے ایک سے زیادہ کتابوں میں تفسیر کی ہے لیکن بعض آیات ایسی ہیں کہ ان کی تفسیر علماء کی ایک بڑی جماعت پر مشکل ہو گئی ہے ان کی گرہ کشائی کے لئے ایک شخص بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کرتا ہے پھر بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مصنف ایک آیت کی تفسیر کرتا ہے اسی طرح دوسری آیات کی بھی تفسیر ہونی چاہئے۔ میں نے دلیل کی روشنی میں انہی آیات کی تفسیر کا ارادہ کیا ہے کیونکہ جب ایک آیت کے معنی ظاہر ہو گئے تو اس طرح کی دوسری آیات کے معنی بھی ظاہر ہو جائیں گے[۶۲]۔

آخری اسیری کے ایام میں ابن تیمیہ کو قرآن سے لگاؤ زیادہ ہو گیا تھا، انھوں نے قید خانہ میں قرآن کی تفسیر سے متعلق بہت کچھ لکھا یہ کل چودہ بستہ تھا، یہاں تک کہ بعض نزاعی مسائل میں حکومت وقت کی مداخلت کے سبب ان کے ہاتھ سے قلم چھین لیا گیا تو انھوں نے کوئلہ سے بچے کھچے اوراق پر لکھنا شروع کیا، ان کے شاگردوں کو ابن تیمیہؒ کی تحریر زنداں کچھ تو ان کی حیات ہی میں مل گئی اور کچھ ان کی وفات کے بعد حکام وقت سے ملی[۶۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ کا کل تفسیری سرمایہ چونکہ عوام تک نہیں منتقل ہو سکا اس لئے ان کے جملہ تفسیری افکار سے خلق کو استفادہ کا

موقع نہ ملا پھر بھی ان کے شاگردوں نے ان کے آثار کو جمع کرنے میں بڑی دل چسپی لی اور ان کے رسائل کی فہرست تیار کی، ان کے مشہور شاگرد علامہ ابن قیم الجوزیہؒ نے جو فہرست تیار کی ہے اس میں انھوں نے تفسیر سے متعلق چھوٹی بڑی بانوے[۹۲] کتابوں اور رسالوں کا تذکرہ کیا ہے[۱۵]

ابن تیمیہؒ کا طریقہ تفسیر

ابن تیمیہؒ نے سورتوں اور آیتوں کی تفسیر میں جو نہج اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے وہ آیت کی تفسیر میں مفسرین سلف کے اقوال نقل کرتے ہیں اور ان اقوال کی روشنی میں اپنی بات کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ نے اقوال سلف کو جمع کرنے کا اہتمام ذاتی استفادہ کے لئے کیا تھا اور اسے اپنے تفسیری منہاج کا حصہ بنا لیا تھا جیسا کہ ابوزہرہ کہتے ہیں:

"انھوں نے قرآن کریم کے تفسیری اقوال کو اس لئے جمع کیا تھا کہ ان کی تفسیر کے مواد میں کام آئے پھر انھوں نے ان اقوال کی روشنی میں تفسیر کا آغاز کیا"[۱۶]

ابن تیمیہؒ اقوال سلف سے مدد لینے کے ساتھ ان مفسرین کا تعاقب کرتے ہیں اور ان کی دلیل کی کمزوری واضح کرتے ہیں جو کسی بھی وجہ سے آیات کی سلفی تعبیر چھوڑ کر من مانی تفسیر کرتے ہیں، اسی لئے ان کی تفسیر میں جا بجا جہمیہ، قدریہ، معتزلہ، شیعہ اور دیگر قوموں سے تعارض بھی ملتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کی قرآن فہمی

جہاں تک شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قرآنی فکر و بصیرت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں کوئی دو رائے نہیں کہ وہ اپنے عہد کے علماء میں ممتاز اور فائق نظر آتے ہیں۔ سات سال کی عمر میں انھوں نے قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ یہاں سے ان کو قرآن سے مناسبت پیدا ہوئی پھر مطالعہ تفسیر اور قرآن کے الفاظ و معانی پر غور و تدبر اور درس و تدریس نے ان کی قرآن فہمی کو جلا بخشی تا آنکہ انھوں نے عوامی تعلیم اور اصلاح کے لئے قرآن کو بنیاد بنا کر کام شروع کیا۔ شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت ان کتابوں سے عیاں ہے جنھیں قرآنی موضوعات پر انھوں نے سپرد قلم کیا ہے مثلاً فتح الرحمن

قرآنِ کریم کا فارسی ترجمہ مع مختصر حواشی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، المقدمہ فی قوانین الترجمہ، فتح الخبیر بما لابد حفظہ فی علم التفسیر اور تاویل الاحادیث۔ ان کے علاوہ ان کی دیگر دینی کتابوں میں قرآنی بصیرت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ شاہ صاحب اپنے قرآنی فہم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الحمد للہ اس فقیر کو تمام فنون تفسیر میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور اس کے فروع کی ایک معقول مقدار معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا ہے۔ ان کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور بھی فن فیض الٰہی کے بحر بیکراں سے القا ہوئے ہیں اگر سچ پوچھو تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔"[۱]

شاہ ولی اللہؒ کے دینی، سماجی، معاشی اور سیاسی نظریات کی اساس قرآن ہے اور وہ اس کو امت مسلمہ کی اجتماعی سرگرمیوں میں اور انفرادی کردار میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں انھوں نے امراء، سپاہی، صنعت و حرفت سے وابستہ اور ملازم سبھی طبقات اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے قرآن کو نسخہ کیمیا بنا کر پیش کیا ہے اور دوسری طرف اصحاب علم و دانش کو فقہی جزئیات، منطقی موشگافیوں اور لایعنی بحثوں سے بچا کر قرآنی علوم و فنون کی اشاعت اور اس سے وابستگی پر آمادہ کرنے کی سعی کی ہے۔ مسلم معاشرے میں قرآن کریم کو جو صحیح مقام ملنا چاہیے اس کی عملی جدوجہد شاہ صاحب نے کی اور اس جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ قرآن کے فہم معانی کی تحریک چل پڑی۔ درس قرآن کے حلقے وجود میں آئے، قرآن کے بکثرت ترجمے ہوئے، اور درسیات میں تفسیر و اصول تفسیر کو خاص مقام دیا جانے لگا۔ مولانا عبید اللہ سندھی شاہ صاحبؒ کے اس کارنامہ پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

"قرآن مجید کو اس شکل میں کہ صرف وہی دین اسلام کا اساسی قانون ہے اور اسی پر دین کا تمام تر انحصار ہے اور سنت یعنی اسلام کے دور اول کا اجماع اور فقہ یعنی مابعد میں اس دور کے اتباع بالاحسان کرنے والوں کا اجماع یہ سب کے سب قرآن کے اساسی قانون کے "بائی لاز" اور تشریحی بائی لاز ہیں۔ امام ولی اللہ دہلوی کی وہ شخصیت ہے جس نے قرآن کو اس شکل میں مسلمانوں سے متعارف

کرایا ہے

شاہ ولی اللہؒ کا طریقۂ تفسیر

شاہ صاحبؒ نے فتح الرحمٰن میں صرف ترجمہ اور مختصر حواشی پر اکتفا کیا ہے تاکہ عام لوگ تفسیری بحثوں میں الجھنے کے بجائے قرآن پر اپنی توجہ مرتکز کر سکیں۔ ترجمہ کے لئے انھوں نے لفظی اور تعبیراتی دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کی ہے۔ جب کہ قرآن کے اصول پنجگانہ یعنی علم الاحکام، علم المخاصمہ، علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ اور علم التذکیر بالموت و مابعد، کو الفوز الکبیر میں سمجھانے کی سعی کی گئی ہے، اسی کے ساتھ ان ضروری علوم پر بھی گفتگو کی گئی ہے جن کا جاننا قرآن کے ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے۔ تاویل الاحادیث اور الخیر الکثیر جیسی کتابوں میں قرآن کی فلسفیانہ سطح کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے، گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کے تفسیری منہج کے دو پہلو ہیں ایک عمومی ہدایت اور دعوت کا دوسرا خصوصی معرفت اور تربیت ذہن کا۔ اگرچہ زور قرآن فہمی، قرآن سے وابستگی اور قرآن کی اشاعت پر ہے شاہ صاحبؒ کے صاحبزادگان شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن کے جو اردو ترجمے کئے ان کو شاہ صاحبؒ کی تحریک قرآن کا ہی حصہ سمجھنا چاہئے۔

قرآن فہمی ابن تیمیہؒ اور شاہ صاحبؒ کی نظر میں

شاہ صاحب نے بارہویں صدی میں جس علمی جمود اور قرآن سے محض رسمی تعلق کا مشاہدہ کیا اور اس کو دور کرنے کے لئے قرآن کو نسخہ شفا بنانے کی کوشش کیا اس کا پورا پورا عکس ہمیں ساتویں صدی میں ابن تیمیہ کے یہاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے عہد کے اس رجحان کی شدت سے تردید کرتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کر لینا کافی ہے اور فہم معانی کی طرف سے چشم پوشی قابل مواخذہ نہیں۔ ابن تیمیہ نے بجا طور پر یہ احساس دلایا کہ قرآن کا مقصد اصلی فہم معانی ہے اور اسی پر ہدایت کا انحصار ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

> "یہ بات محتاج بیان نہیں کہ ہر کلام کا مقصد اس کے معانی کو سمجھنا ہے نہ کہ صرف الفاظ۔ قرآن اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے معانی کو سمجھا جائے، چونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی قوم علم و فن مثلاً طب اور حساب کی کوئی کتاب پڑھے

اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش نہ کرے تو یہ معاملہ صرف کلام اللہ کے ساتھ کیوں ہے جب کہ وہ لوگوں کی عصمت ہے اور اسی سے لوگوں کی سعادت اور نجات وابستہ ہے اور اسی پر ان کے دین و دنیا کا انحصار ہے۔"[۱۱۰]

پانچ صدیوں بعد شاہ ولی اللہ نے بھی مسلمان قوم کے اسی مرض کی تشخیص کی اور وہی علاج تجویز کیا جو ابن تیمیہؒ نے کیا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"یاران سعادت مند مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی، شیخ سعدی کی گلستان شیخ فرید الدین عطار کی منطق الطیر فارابی کے قصے مولانا عبدالرحمٰن جامی کی نفحات الانس اور ان جیسی کتابیں مجلسوں میں بیان کرتے ہیں کیا اچھا ہوتا اگر اسی طرح اس ترجمہ قرآن کا مذاکرہ کریں اور اپنے دلوں کو اس کے ادراک میں مشغول رکھیں اگر وہ مشغولیت اولیا، اللہ کے کلام کے ساتھ ہے تو یہ شغل کلام اللہ کا ہے اگر وہ حکیموں کے مواعظ ہیں تو یہ احکم الحاکمین کا موعظہ ہے۔ اگر وہ عزیزوں کے مکتوب ہیں تو یہ رب العزت کا مکتوب ہے۔ اگر انصاف سے کام لو تو نزول قرآن کا اصل مقصد اس کے الفاظ سے نصیحت حاصل کرنا اور اس کی ہدایت سے ہدایت یاب ہونا ہے صرف تلفظ مقصود نہیں اگرچہ وہ بھی غنیمت ہے، مسلمانوں نے یہ کیا شیوہ اپنا لیا ہے کہ قرآن کے معانی کو نہیں سمجھتے اور جو قرآن کے مدلول کو نہیں جانتا اسے کیا حلاوت نصیب ہوگی۔"[۱۱۱]

غور کیا جائے کہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے حالات اور خیالات میں کتنی قربت اور مماثلت پائی جاتی ہے کہ دونوں فہم قرآن کو اساس حیات قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی پرجوش دعوت دیتے ہیں۔

تفسیری اصول

امام ابن تیمیہؒ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود قرآن سے اس کی تفسیر کی جائے، کیونکہ ایک مضمون اگر ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل۔ اس کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ وہ قرآن کی شرح و تفسیر ہے ۔۔۔

لیکن جب قرآن وسنت سے معنی معلوم نہ ہوں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ نزول قرآن کے مشاہدہ اور ان مخصوص حالات کی معرفت کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ وہ فہم کامل اور عمل صالح کے حامل تھے خصوصاً ان کے اکابر صحابہ جیسے خلفاء اربعہ اور ہدایت یاب ائمہ جیسے عبداللہ ابن مسعودؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ کہ وہ مطالب قرآن سب سے زیادہ جانتے تھے۔[۲۲]

ابن تیمیہ صحابہ وتابعین کی معروف تفسیر کے علاوہ تفسیر وتاویل کرنے والے کو کہتے ہیں کہ

مفتری علی اللہ، ملحد فی آیات اللہ	وہ اللہ پر بہتان باندھتا ہے۔ اس
محرف للکلم عن مواضعہ وھذا	کی آیات میں الحاد کرتا ہے اور تحریف
فتح لباب الزندقۃ[۲۳]	کرتا ہے اور یہ زندقیت کا باب کھولتا ہے۔

اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ کا اصرار یہاں تک ہے کہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ وتابعین کے دو مختلف اقوال ہوں تب بھی ان کے بعد والوں کے لئے تیسرا قول اختیار کرنے کی ضرورت نہیں مگر یہ ابن تیمیہؒ کا اپنا اجتہاد ہے۔ دوسرے مفسرین ومحققین مثلاً الوالحسن بصری، فخرالدین رازی، علامہ آمدی اور ابن حاجب وغیرہ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ اس کی پوری گنجائش ہے"۔ ساتھ ہی ساتھ ابن تیمیہ تابعین کے انہی اقوال کو حجت مانتے ہیں جو متفق علیہ ہوں اختلاف کی صورت میں ایک کا قول دوسرے پر اور بعد والوں پر حجت نہیں مانتے۔ ایسی صورت میں وہ قرآن وحدیث کی زبان اور لغت عرب یا اقوال صحابہ سے مدد لینے کی تلقین کرتے ہیں۔[۲۴]

تاہم جس طرح وہ تفسیر بالرائے سے محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں اسی طرح لغت سے مفہوم نکالنے کے سلسلہ میں کافی فہم وبصیرت کا مطالبہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں تفسیری لغزش کی دو وجوہ ہیں:

"ایک تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے پہلے سے اپنے عقیدے اور نظریے بنا لیے پھر قرآنی الفاظ کو کھینچ تان کر ان پر منطبق کرنے لگے، دوسرے وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کی تفسیر محض لغت عرب سے کی ہے اور اس کا لحاظ نہ کیا کہ متکلم کی مراد کیا ہے اور اس نے کیا مطلب بیان کیا جس پر قرآن نازل ہوا ہے اور وہ لوگ کیا سمجھتے تھے

جو قرآن کے اولین مخاطب تھے۔[25]

شاہ ولی اللہ اس اصولِ تفسیر سے نہ صرف اتفاق کرتے ہیں بلکہ اسی کی تلقین کرتے ہیں اگرچہ وہ اختلاف اقوال کی صورت میں ابن تیمیہؒ کی طرح پابند نظر نہیں آتے تاہم وہ مفسر کے لئے لازم سمجھتے ہیں کہ:

"عالم کو چاہئے کہ وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اسی کو اپنا مذہب قرار دے خواہ وہ اس کے سابق نظریہ کے موافق ہو یا مخالف، لیکن لغت قرآنی کو عرب اول کے استعمال سے اخذ کرنا چاہئے اور صحابہ و تابعین کے آثار پر پورے طور پر اعتماد کرنا چاہئے۔"[26]

اس اصول کی مزید وضاحت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس طرح کی ہے:

"جو شخص قرآن کی زبان نہیں جانتا اور قرآنی الفاظ کی تشریح، سببِ نزول اور ناسخ و منسوخ سے متعلق احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے آثار سے واقف نہیں اس کے لئے قرآن کی تفسیر کرنا حرام ہے۔"[27]

قرآنی الفاظ کی تشریح و تفہیم کے لئے ابن تیمیہؒ نے آثار صحابہ بالخصوص عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی مرویات کو ترجیح دی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس سلسلہ میں صرف عبداللہ ابن عباسؓ کا تذکرہ کیا ہے، اور ان سے مروی متعدد طرق کا حوالہ دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "قرآن کے نادر الفاظ کی تشریح کا بہترین طریقہ وہ صحیح روایات ہیں جو ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بطریق ابن ابی طلحہ مروی ہیں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس پر اعتماد کیا ہے پھر ابن عباسؓ کی بطریق ضحاک اور نافع بن ازرق کے سوالوں کا جواب جو عبداللہ ابن عباسؓ نے دیا ہے زیادہ بہتر ہیں سیوطی نے ان تینوں طریقوں کا تذکرہ الاتقان میں کیا ہے۔"[28]

تاویل کا مفہوم اور حدود

تفسیر ہی کی طرح تاویل بھی قرآن فہمی کے لئے ناگزیر ہے بلکہ یہ تفسیر ہی کا حصہ ہے ابن تیمیہؒ نے تاویل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور اس سلسلہ میں معاصر علماء سے ان کے مناقشے بھی ہوئے ہیں ابن تیمیہؒ

تاویل کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ:

التاویل هو ما اول الیه الکلام او یؤل الیه او تاول هو الیه والکلام انما یرجع و یعود و یستقر و یول الیٰ حقیقته التی هی عین المقصود به کما قال بعض السلف[۲۹] یعنی کلام کو اس کی حقیقت کی طرف لوٹانا ہی تاویل کا صحیح مفہوم ہے۔ ابنِ تیمیہؒ نے سلف اور متکلمین بالخصوص معتزلہ، فلاسفہ اور صوفیا کی تاویل میں فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "اسلاف کے نزدیک تاویل قرآن وحدیث کی روشنی میں تفسیر اور بیان مراد کا نام ہے اور اسی معنی میں قرآن کے اندر یہ لفظ اکثر وارد ہوا ہے اور یہی تاویل مقبول بھی ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ قرآن کی اس تاویل کا علم رکھتے تھے جسے انھوں نے سمجھا اور بیان کیا اور اسی معنی میں حسن بصریؒ کا یہ قول ہے: "ما انزل الله آیة الا هو یحب ان یعلم ما اراد بها" اللہ نے جو بھی آیت نازل کی ہے اس کی مراد کو جاننا واجب ہے[۳۰]

ابن تیمیہؒ حسن بصریؒ کے اس قول کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کی کسی بھی آیت پر توقف کرنے اور اس کے معنی نہ بیان کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے سمجھنے اور اس میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بتایا ہے۔

جہاں تک تاویل کی دوسری قسم کا تعلق ہے جس کے قائل اکثر مسلمان فلاسفہ، متکلمین اور صوفیا ہیں اس کا مطلب ان کی خاص اصطلاح میں لفظ کو اس کے معنی مدلول سے جس پر مفہوم کا مدار ہے دوسرے ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو کہ پوشیدہ ہے۔ تاویل کی اس دوسری شکل پر ابن تیمیہؒ کا تبصرہ یہ ہے:

"تاویل کی یہ قسم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پوشیدہ نہ تھی کیونکہ آپ نے خود ایسے مقام پر جس میں ظاہری معنی کا چھوڑنا لازم ہے دوسرے معنی بیان فرمائے جو اس لفظ کا مفہوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایسے کلام میں گفتگو کریں گے جس کا مفہوم و مدلول باطل ہو اور مراد حق کے بیان کرنے سے اجتناب کریں گے اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے کہ وہ لوگوں سے یہ چاہیں کہ وہ اس کے کلام کے معنی سمجھیں جب تک اسے ان کو نہ بتائیں اور

وضاحت نہ فرمائیں"[41]

تاویل کی انواع اور ان کی تفصیلات پر ابن تیمیہؒ کے رسالۃ الاکلیل فی التشابہ و التاویل میں بحث موجود ہے[42]۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک تاویل کا اصل محل انبیاء کے قصص ہیں اور اس کا مفہوم وہ یہ بیان کرتے ہیں:

تاویل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر چاہی اس کے لحاظ سے ہر اس قصہ کے لئے جو رونما ہوا پیغمبرؑ اور اس کی قوم کی استعداد میں سے ایک مبدأ ہو، گویا اسی معنی کی طرف آیت "وَيُعَلِّمُكُمْ مِّنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ" میں اشارہ کیا گیا ہے"[43]

شاہ صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء والرسل" کے نام سے رقم کیا ہے اس میں انھوں نے آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے واقعات کی فلسفیانہ تاویل و توجیہ کی ہے، شاہ صاحب نے سورہ یوسف کی مذکورہ آیت کے مفہوم میں تعمیم اور توسیع کی ہے اور اسے وہبی علوم میں شمار کیا ہے جب کہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک آیت کے لفظ تاویل کا مفہوم محض خواب کی تعبیر تک محدود ہے[44] ابن تیمیہؒ جن چیزوں کو سلفی تعبیر سے مختلف پاکر رد کر دیتے ہیں شاہ صاحب وہاں بھی وسعت اور معنویت کی تلاش کرتے ہیں چنانچہ وہ مفسرین کے مختلف طبقات مثلاً محدثین، فقہا، متکلمین، نحویین، ادبا، قرار، اور اہل تصوف کے طریقۂ تفسیر کے اختلاف کو فن تفسیر کی وسعت اور جامعیت پر محمول کرتے ہیں"[45]

اسماء و صفات کی آیات کی تفسیر و تاویل میں امام غزالیؒ کا نقطۂ نظر ابن تیمیہؒ سے مختلف ہے اور وہ ابن تیمیہ کے مقابلہ میں زیادہ قابل فہم ہے اور دیگر مفسرین و محققین کے نقطہ نظر سے ہم آہنگ بھی اور شاہ ولی اللہ بھی اس دوسرے نقطۂ نظر کے حامل ہیں جیسا کہ متشابہات کی بحث میں تذکرہ آئے گا مگر ابن تیمیہؒ امام غزالی سے اس سلسلہ میں اتفاق نہیں کرتے بلکہ اس پر تنقید کرتے ہیں[46]۔

شان نزول

مطالعہ قرآن کی راہ میں اسباب نزول کی معرفت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس فن پر

سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ دونوں بزرگوں نے موقع بموقع اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فتح الخبیر کے نام سے الفوز الکبیر کا ایک ضمیمہ اس موضوع پر سپرد قلم کیا ہے۔ اسباب نزول کے سلسلہ میں دونوں بزرگوں کے خیالات میں یک گونہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے ابن تیمیہؒ کا خیال تو یہ ہے کہ جب کہا جائے کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے تو کبھی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ واقعہ اس آیت کا سببِ نزول ہے اور کبھی یہ مراد ہوتی ہے کہ یہ واقعہ اس آیت میں داخل ہے اگرچہ اس کا سبب نزول نہیں ہے۔[۲۷]

شان نزول کی معرفت کے سلسلہ میں ابن تیمیہؒ کا یہ خیال بنیادی حیثیت رکھتا ہے وہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر سلف نے الگ الگ واقعات کو ایک ہی آیت کی شان نزول کہا ہے تو اس میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے یہ سب درست ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ آیت ان تمام واقعات کے بعد نازل ہوئی ہو اور ان تمام کو جامع ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک مرتبہ اس سبب کے نتیجہ میں اور دوسری مرتبہ دوسرے سبب کے نتیجہ میں۔ اس اختلاف کی وجوہ بھی ابن تیمیہ کی نظر میں ناگزیر ہیں وہ کہتے ہیں کہ تنوع تفسیر کے دونوں اصناف کبھی تو اسماء، وصفات کے تنوع کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور کبھی مسمّٰی کے بعض پہلو کا ذکر کرنے کی وجہ سے جیساکہ تمثیلات میں ہوتا ہے۔ یہ دونوں اصناف سلف کی تفسیروں میں غالب ہیں جو باہم مختلف سمجھے جاتے ہیں۔[۲۸]

شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اسباب نزول میں تعمیم کے قائل ہیں اور وہ اسے اجتہادی بھی سمجھتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں واقعہ میں نازل ہوئی مگر ان کا مقصود صرف آیت کے افراد اور مصداق کی تصویر کشی اور بعض ایسے مخصوص حادثات کا ذکر ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہے عام اس سے کہ وہ واقعہ جس کو انھوں نے سبب نزول کہا ہے آیت کے نزول سے مقدم ہو یا موخر، اسرائیلی ہو، جاہلی ہو یا اسلامی، آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی سببِ نزول میں کچھ دخل ہے اور اسباب نزول میں متعدد قصوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے۔[۲۹]

گویا اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ کسی آیت یا سورہ کے سبب نزول کے لئے واقعہ کا

نزول آیت سے مقدم ہونا ضروری نہیں مگر ابن تیمیہ اس صورت میں آیت کے تعدد نزول کو خارج از امکان نہیں سمجھتے جب کہ شاہ ولی اللہ اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتے بلکہ وہ آیت کے عموم میں مقدم و موخر ہر قصہ کی گنجائش سمجھتے ہیں اور اسے اجتہادی بھی مانتے ہیں جن میں اختلاف کی بھی گنجائش ہے۔

محکمات ومتشابہات

قرآن کریم سورہ آل عمران آیت ۷ میں بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ کہا گیا ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ	وہی ہے جس نے تمہارے اوپر
الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ	کتاب اتاری جس میں محکم آیات ہیں
هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ	جو اصل کتاب کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسری
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ	کچھ آیتیں اس میں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں
فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ	تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا	میں سے متشابہات کے درپے ہوتے ہیں
يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ	تاکہ فتنہ پیدا کریں اور انکی حقیقت و ماہیت معلوم کریں حالانکہ اسکی اصل حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں
فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ	جانتا تو جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ یوں کہتے ہیں
عِنْدِ رَبِّنَا	کہ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کے
(آل عمران: ۷)	پاس سے ہے اور یاددہانی تو اہل عقل ہی حاصل کرتے ہیں

اس لئے محکم و متشابہ آیات کے تعیین و تفہیم کا مسئلہ بھی قرآن کے اہم مسائل میں سے ہے۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ متشابہ آیات کی مراد سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے رسوخ فی العلم عطا کیا ہے وہ بھی اس کی مراد سے واقف ہیں۔ ابن تیمیہؒ کے نزدیک قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے معنی نہ سمجھے جا سکیں، وہ حسن بصری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ: "ما انزل اللہ آیۃ الا وھو یحب ان یعلم فیما ذا انزلت وماذا عنی بہا وما استثنی من ذالک لا متشابہا ولا غیرہ۔"[۲۹]

اللہ تعالیٰ نے جو آیت بھی نازل کی ہے اس کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کی مراد کیا ہے اس سے متشابہ وغیرہ کا کوئی استثنا نہیں ہے۔ مگر چونکہ انسانی عقل وفہم کی سطح یکساں نہیں ہے بلکہ اس میں فرق ہے۔ اس لئے قرآنی مضامین کے فہم وتفقہ میں بھی مقام اور مراد کے لحاظ سے ساری باتیں ہر انسان پر ظاہر نہیں ہوتیں اس لئے ابن تیمیہؒ نے متشابہ کو "اضافی چیز" قرار دیا ہے یعنی جس سے راسخون فی العلم تو واقف ہیں مگر کمزور لوگوں پر وہ مشتبہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"متشابہات کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ وہ آیات بجائے خود متشابہ ہیں جملہ انسانوں پر، اور دوسرا قول جو صحیح ہے وہ یہ ہے کہ متشابہ" امر نسبی" یعنی اضافی چیز ہے جو بعض پر متشابہ ہے اور بعض پر نہیں۔ لیکن محکم آیات کسی پر متشابہ نہیں اور متشابہات کے معنی اگر معلوم ہو جائیں تو وہ بھی غیر متشابہ ہو جاتی ہیں۔"[۱۶۱]

ابن تیمیہؒ کا نقطۂ نظر محکمات و متشابہات کے سلسلے میں واضح اور دو ٹوک ہے اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت انھوں نے سورہ اخلاص کی تفسیر میں کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پورا قرآن قابل فہم اور قابلِ غور ہے اور بہت سے اسلاف متشابہات کے مفہوم سے واقف تھے۔[۱۶۲]

علامہ رشید رضا مصریؒ ابن تیمیہؒ کے نقطۂ نظر کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

عرفان و تحقیق کا منتہا ہے اور اس بیان کے بعد کوئی بیان نہیں جس میں ابن تیمیہؒ نے ثابت کیا ہے کہ قرآن میں ایسا کوئی کلام نہیں ہے جس کے معنی نہ سمجھے جاسکیں اور یہ کہ متشابہ ایک اضافی چیز ہے جس میں کمزور تو مشتبہ ہو جاتا ہے مگر راسخ مشتبہ نہیں ہوتا۔ اور لا یعلمہ الا اللہ کی تاویل یہ ہے کہ جس کی طرف وہ آیات فی الواقع تقاضا کرتی ہیں مثلاً صفات اللہ کی کیفیت، عالم غیب کی کیفیت اور جنت وجہنم کی کیفیت۔"[۱۶۳]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی کم و بیش اسی رجحان کے حامل نظر آتے ہیں یعنی وہ متشابہات کی تفہیم و تعیین کو ممکن تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک متشابہات کا مطلب ہے "محتمل معانی باہم مشتبہ"[۱۶۴] گویا متشابہ ان کے نزدیک وہ کلام ہے جس میں چند معانی کا احتمال ہو اور وہ باہم متشابہ ہوں

الفوز الکبیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معانی کا احتمال ہو یا تو ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کا احتمال یا کلمہ کا دو معانی میں مشترک ہونے کا احتمال یا یہ کہ قریب و بعید دونوں پر عطف کا احتمال ہو یا عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو"

شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کی مزید وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں ۔

"محکم وہ ہے جو صرف ایک معنی (توجیہ) کا احتمال رکھتا ہو مثلاً حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ اور متشابہ وہ ہے جو متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہو اور مراد اس میں سے بعض ہو مثلاً لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا کہ کچھوں نے اسے اباحتہ شرب خمر پر محمول کیا ہے جب تک کہ بغاوت اور فساد فی الارض نہ ہو اور صحیح یہ ہے شارب خمر پر اس کا محمول ہونا تحریم سے پہلے تھا"

متشابہات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی بحث بھی آتی ہے، ابن تیمیہؒ کے نزدیک قرآن کا کوئی حصہ ایسا متشابہ نہیں ہے جس کی تاویل نہ ہو اس لئے وہ صفات کی ان آیات کی بھی تاویل کرتے ہیں جو دوسرے مفسرین کے نزدیک متشابہ ہیں۔ مثلاً اللہ کے ہاتھ، چہرہ اور استویٰ علی العرش کا جو تذکرہ قرآن میں موجود ہے ابن تیمیہؒ نے اس کی تفسیر و تاویل کی ہے اور وہ محل نزاع بنی۔ شاہ ولی اللہؒ ابن تیمیہؒ کے برخلاف ایسے مقامات کو متشابہات میں شامل سمجھتے ہیں اور ان میں غور و خوض کے قائل نہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ صفاتِ الٰہی کی حقیقت کے بیان میں اور متشابہات کی تاویل میں متکلمین نے جو غلو کیا ہے وہ میرا مذہب نہیں ہے، میرا مذہب مالک ثوری، ابن مبارک اور سارے قدماء کا ہے کہ وہ (صفات) متشابہات کے قبیل سے ہیں جن کی تاویل میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے"

نسخ کا مفہوم

نسخ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی آیت یا کسی حکم کا ختم ہو جانا اور اس کی جگہ کسی دوسری آیت یا حکم کا نافذ ہو جانا۔ مگر نسخ کا مفہوم ابن تیمیہؒ اور شاہ صاحبؒ دونوں کے نزدیک

اس سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے چنانچہ ابن تیمیہؒ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نسخ اسلاف کی نظر میں اسم عام ہے ہر اس چیز کے لئے جو آیت کی دلالت معنی باطل کے لئے رفع کرتی ہو اگرچہ وہ معنی اس سے مراد نہ ہو اور نہ آیت کا ظاہری مفہوم اس پر دلالت کرتا ہو بلکہ اس کا مفہوم بھی نہ ہو، البتہ کچھ لوگوں نے اس کا یہی مفہوم لیا ہے اور اپنے اس فہم کی بنا پر وہ آیت کے ابہام اور اس کی تعمیم کو رفع کرنے والی چیز کو نسخ کا نام دیتے ہیں" [۴۸]

شاہ ولی اللہؒ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"اصولیین نے جس اصطلاح میں نسخ کا لفظ استعمال کیا ہے صحابہ اور تابعینؒ اس کے علاوہ معانی کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے تھے اور وہ لغوی معنی سے زیادہ قریب ہے یعنی "الازالۃ" اس لئے ان کے نزدیک نسخ کے معنی تھے گذشتہ آیت کے بعض اوصاف کا بعد میں آنے والی آیت سے ازالہ کرنا، یا تو مدت عمل کے ختم ہو جانے کے باعث یا کلام کو معنی متبادر سے پھیر دینے کے باعث یا بعض قیود کے ذکر کر دینے کے باعث، اسی طرح عام کی تخصیص اور منصوص اور جس پر ظاہر کو قیاس کیا جائے ان میں فرق بیان کر دینے کے باعث یا اس کے مشابہ دوسری چیزیں" [۴۹]

مذکورہ دونوں خیالات کو سامنے رکھ کر اگر قدر مشترک نکالا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ اور ابن تیمیہؒ دونوں ہی، نسخ کے معروف معنی کے بجائے اس کے لغوی اور عمومی معنی پر زور دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک نسخ ازالہ کا ہم معنی ہے۔

سورتوں کی ترتیب

قرآن کریم میں سورتوں کی آیات کی ترتیب کے بارے میں مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہی اس کی موجودہ ترتیب ہے مگر سورتوں کی ترتیب کے بارے میں مفسرین ہم خیال نہیں ہیں گو کہ اکثر مفسرین آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب کو بھی توقیفی یعنی منزل من اللہ خیال کرتے ہیں مگر مفسرین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اسے

توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی تسلیم کرتا ہے۔ اس طبقہ میں قاضی ابو بکرؒ، ایک قول کے مطابق یزید بن فارسؒ اور مالک وغیرہ شامل ہیں[۴۸] ابن تیمیہؒ بھی دوسرے طبقہ میں شامل نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:

"جہاں تک سورتوں کی آیات کی ترتیب کا سوال ہے تو وہ منزل منصوص علیہ ہے صحابہؓ کے لئے جائز نہ تھا کہ وہ لکھتے میں کسی آیت کو کسی آیت پر مقدم کر دیتے جس طرح انھوں نے سورہ کو دوسری سورہ پر مقدم کیا، اس لئے کہ آیات کی ترتیب کا حکم نص سے ہے جب کہ سورتوں کی ترتیب اجتہاد سے وابستہ ہے"[۴۹]

اس کے ثبوت میں ابن تیمیہؒ نے دو دلیلیں دی ہیں ایک تو یہ کہ صحابہؓ کرام کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب مختلف تھی دوم یہ کہ امام احمد بن حنبلؒ سے سورتوں کے الٹ پلٹ کر دینے کے سلسلہ میں دو روایتیں منقول ہیں ایک تو یہ کہ مکروہ ہے کیونکہ مصحف عثمانی کے خلاف ہے دوم یہ کہ مکروہ بھی نہیں ہے جیسا کہ بچوں کی تعلیمی سہولت کے لئے کرتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے پہلے سورۃ البقرہ پھر سورۃ النسا، اور پھر سورہ آل عمران کی تلاوت فرمائی"[۵۰]

شاہ ولی اللہ بھی اسی رجحان کے حامل نظر آتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے چنانچہ انھوں نے قرآن مجید کی مثال ان مکتوبات کے مجموعہ سے دی ہے جیسے کوئی بادشاہ حسب ضرورت اپنی رعایا کو یکے بعد دیگرے فرامین کے طور پر بھیجتا ہے اور جب بہت سے فرامین جمع ہو جاتے ہیں تو کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ضرورت قرآن مجید کی سورتیں نازل کیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہر ایک سورہ جداگانہ طور پر مرتب اور محفوظ تھی، صرف آپ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا"[۵۱]

شاہ صاحبؒ نے سورتوں کی تقسیم اور درجہ بندی کے اصول پر بھی روشنی ڈالی ہے ان کے مطابق صحابہؓ کے درمیان قرآن کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں:

(۱) طوال یعنی بڑی سورتیں

(۲) مئین، یعنی وہ سورتیں جن میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیات ہوں۔

(۳) مثانی، وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیات ہوں۔

(۴) مفصل، یعنی آخر کی چھوٹی سورتیں۔

شاہ صاحبؒ نے سورتوں کی ترتیب پر گفتگو کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ:

"قرآن مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی کے قسم سے تھیں وہ مئین میں داخل کی گئیں اس لئے کہ ان کا سیاق مئین کے سیاق سے مناسبت رکھتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور تصرف کیا گیا، حضرت عثمان نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیج دیے تاکہ مسلمان اس سے استفادہ کریں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف توجہ نہ کریں۔"[۵۴]

قرآن مجید میں کھائی گئیں قسمیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر قسمیں کھائی ہیں یہ قسمیں اپنی ذات اور صفات کے علاوہ بعض مخلوقات کی بھی ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قسم تو اپنے سے بڑی چیز کی کھائی جاتی ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جو شخص قسم کھائے وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے"[۵۵]

اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات و صفات کی قسم کھانا تو سمجھ میں آتا ہے مگر اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس کے شایانِ شان نہیں۔

اس سوال کا جواب ابن تیمیہؒ یہ دیتے ہیں اللہ نے جن مخلوقات کی قسم کھائی ہے وہ اس کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسم کھاتا ہے، اپنی ذات مقدسہ اور صفات کی قسم کھاتا ہے، یا ان نشانیوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی ذات اور صفات کو مستلزم ہیں، جو قسمیں اس نے بعض مخلوقات کی کھائی ہیں وہ دلیل ہے اس بات کی وہ اس

کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں[56]

ابن تیمیہؒ کے اسی خیال کو ان کے شاگرد ابن قیم الجوزیہؒ نے دہرایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوقات کی قسم کھائی ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ مخلوقات اللہ کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں[57]

ابن تیمیہؒ کے مقابلہ میں شاہ ولی اللہؒ کے یہاں قدرے وسعت پائی جاتی ہے وہ قرآن مجید کی ان قسموں کو جو مخلوق کی کھائی گئی ہیں عربی کلام کے اسلوب کا ایک رمز اور قرآنی پیرایہ بیان کا ایک حسن باور کرتے ہیں، وہ سورتوں کی مثال قصیدوں سے دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"چونکہ عرب کی مشہور فصاحت کا نمونہ قصائد ہیں اور وہ اپنے قصیدوں کے آغاز میں عجیب و غریب مقامات اور ہولناک واقعات کے ساتھ تشبیب کرتے تھے، اور یہ رسم زمانۂ قدیم سے ان کے یہاں چلی آتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں اس اسلوب کو اختیار کیا مثلاً: والصافات صفا فالزاجرات زجرا والذاریات ذروا فالحاملات وقرا فالجاریات یسرا۔[58]

اسی کے ساتھ شاہ صاحب نے قرآن کی ایسی قسموں میں فی الجملہ عظمت اور دلیل کا پہلو تسلیم کیا ہے چنانچہ اپنی کتاب الخیر الکثیر میں وہ اسلوب قرآن کے تین حصے کرتے ہیں اول مقطع دوم حشو، سوم مقطع، مقطع کے سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"اس کے بھی متعدد اسالیب ہیں ایک تو یہ کہ بڑی نشانیوں کی قسم کھا کر سورہ کی ابتداء کرنا اور اس کا مقصد مقسم بہ کی جلالت شان کا اظہار اور عقل انسانی کو اس کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے ابتداء سورت میں ہولناک واقعات کا تذکرہ کرنا جس کو سن کر دل دہلنے لگتے ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ نصیحت کے لئے براعت استہلال کا درجہ رکھتی ہے، سوم یہ کہ عنوان کے انداز پر شروع کرنا جیسے لکھنے والا اپنے خط کے آغاز میں لکھتا ہے فلاں سے فلاں کو، اسی طرح اللہ تعالیٰ کہتا ہے تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم، چہارم حمد و تسبیح اور شکر کے کلمات کے ساتھ شروع کرنا جیسے خط میں لکھا جاتا ہے پنجم بغیر کسی عنوان

کے شروع کرنا جیسے اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ"[۵۹]

اسرائیلی روایات

تفسیر میں سب سے پیچیدہ مسئلہ اسرائیلی روایات کا ہے، ان روایات کے سلسلہ میں اسلام کا اصولی موقف یہ ہے کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موجب بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں مگر نہ اس کی تصدیق کی جائے گی اور نہ تکذیب[۶۰]، مفسرین قرآن نے اسرائیلی روایات کے سلسلہ میں اس اصولی موقف کو تسلیم کیا ہے۔ مگر بہت سے مفسروں نے عملاً اس میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے، اور اس کی وجہ سے ہمارے ذخیرہ تفاسیر میں رطب و یابس، کمزور اور ساقط الاعتبار ہر قسم کی روایات جمع ہو گئی ہیں جو کبھی کبھی قرآن کے مدعا اور مفہوم پر حجاب بن جاتی ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ اس معاملہ میں محتاط اور بیدار نظر آتے ہیں۔ وہ اسرائیلی روایات کی تین قسمیں قرار دیتے ہیں ایک وہ جس کی صحت قرآن و سنت سے معلوم ہو چکی ہے اس لئے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں دوسری وہ جس کا جھوٹ ہونا واضح ہو چکا ہے اس لئے ہم اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں۔ تیسری وہ روایات جن کے بارے میں ہماری ہدایت خاموش ہے ان کی نہ تو ہم تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب ان روایات کو استدلال کے لئے بیان کیا جا سکتا ہے لیکن ایسی اکثر روایات سے دین کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اس کے بارے میں علماء بنی اسرائیل میں بھی اختلاف ہے اس کی وجہ سے مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً ایسی بحثوں میں کہ اصحاب کہف کا نام کیا تھا ان کے کتے کا رنگ کیا تھا، ان کی تعداد کیا تھی؟ اور ان چڑیوں کا نام کیا تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے سوال پر زندہ کر دیا تھا وغیرہ[۶۱] گویا ابن تیمیہؒ ان اسرائیلی روایات کو جن کی صحت و سقم معلوم نہ ہو استشہاد کے لئے، تو قابل قبول سمجھتے ہیں مگر اعتقاد کے لئے نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ سے بھی زیادہ حساس اور محتاط دکھائی دیتے ہیں وہ استشہاد یا اعتقاد کسی طور پر بھی اسرائیلیات کی روایت کو مناسب نہیں سمجھتے، مگر مجبوری کے وقت وہ اسے گوارا کر لیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ رسول کریم کے اس قول

"لا تصدقوا ولا تکذبوا" سے دو نتائج اخذ کرتے ہیں ایک تو یہ کہ کلام کا مفہوم جب قرآن و حدیث سے معلوم ہو جائے تو بنی اسرائیل سے نقل نہیں کرنا چاہیے دوسرے یہ کہ ضروری چیز اپنی حد ضرورت تک ہی محدود رہنی چاہیے۔ اس لئے اقتضاء مفہوم کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا چاہیے، تاکہ اس کی تصدیق قرآنی شہادت سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہیے[۶۲]۔

شاہ صاحبؒ نے اس اصول کو اپنی فارسی تفسیر فتح الرحمٰن میں بھی اختیار کیا ہے، وہ اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ "اسرائیلی قصے جو کہ علماء اہل کتاب سے منقول ہیں نہ کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تفسیر میں داخل نہیں کئے گئے ہیں سوائے ان جگہوں کے جہاں ان کا ذکر کئے بغیر معنی کی وضاحت نہیں ہوتی اور ضرورت ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہے[۶۳]۔

باطنی تفسیر

اسلام میں ظاہر و باطن کی کوئی تفریق نہیں اس لئے ظاہر اور باطن کی تقسیم بھی اسلامی مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ ظاہر و باطن کی تفریق خاص دور اور مخصوص ذہنوں کی پیداوار ہے جس کی اشاعت باطنی فرقوں کے توسط سے ہوئی اور کسی حد تک صوفی رجحانات کے ذریعہ سے۔ قرآن کریم کی تفسیر بھی اس رجحان کے تحت کرنے کی سعی کی گئی ہے اور قرآنی الفاظ کے وہ معانی و مفاہیم بیان کئے گئے، جو تفسیر بالماثور کے برخلاف ہوں۔ ان رجحانات کی حامل تفسیروں پر ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ دونوں نے گفتگو کی ہے۔

ابن تیمیہؒ نے اولاً ظاہر و باطن کے مراد کو متعین کیا ہے پھر ان دونوں کا محاکمہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ باطن سے مراد اگر قلوب کی کیفیات وغیرہ کا علم ہے تو یہ اصولِ دین کا علم ہے اور اگر باطن سے مراد وہ علم ہے جو عام لوگوں پر مخفی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ علم ظاہر کے مخالف ہو اس صورت میں یہ باطل ہے اور اس کا دعویٰ کرنے والا ملحد و زندیق ہے یا گمراہ اور جاہل ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ علم ظاہر کے مخالف نہ ہو اس صورت میں کبھی یہ درست بھی ہو سکتا ہے اور کبھی باطل۔ اگر وہ ظاہر کے مخالف نہ ہو اور معلوم ہو جائے کہ وہ حق ہے تو اسے قبول کر لیا جائے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ باطل

ہے تو اسے رد کر دیا جائے بصورت دیگر اس سے رکا جائے۔[۴۴]

ابن تیمیہؒ نے اس ضمن میں مختلف باطنی فرقوں مثلاً قرامطہ، اسماعلیہ، نصیریہ، صوفیا اور متکلمین و فلاسفہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی خامیوں اور گمراہیوں کی نشاندہی کی ہے۔ پھر انھوں نے مذکورہ طبقات کی تفسیری کوششوں کا تنقیدی جائزہ لے کر بتایا ہے کہ قرآن کے مدلول اور مفہوم کی یہ لوگ کس قدر غلط ترجمانی کرتے ہیں۔

بایں ہمہ ابن تیمیہؒ نے علم لدنی کا اعتراف کیا ہے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے وہ کہتے ہیں

"جہاں تک علم لدنی کا سوال ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے متقی دوستوں اور صالح بندوں کے دل کی پاکیزگی کی جو اس کے احکام کے سلسلہ میں ہو اور اس کی پسندیدہ چیزوں کا اتباع کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں کو ان چیزوں کے لئے کھول دیتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کھولتا"[۴۵]

ابن تیمیہ نے علم لدنی پر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت سے استشہاد کیا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ	اور اگر وہ اس نصیحت پر عمل کرتے
بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ	تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر اور ثابت
تَثْبِيْتًا وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ	قدمی کا موجب ہوتا اور تب ہم ان کو
لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ	اپنی طرف سے بڑا اجر دیتے اور انھیں
صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (النساء:)	سیدھا راستہ دکھاتے۔

شاہ ولی اللہ بھی باطنی تفسیروں کے سلسلہ میں فرق مراتب کا خیال رکھتے ہیں ایک طرف تو صوفیانہ تفسیری اقوال و اشارات کے سلسلہ میں ان کی رائے یہ ہے کہ:

"درحقیقت وہ علم تفسیر کا جزو نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے سننے کے وقت بعض باتیں سالک کے قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن مجید اور اس حال سے جو سالک پر طاری ہوتا ہے یا اس معرفت سے جو اس کو حاصل ہوتی ہے، پیدا ہوتا ہے جس طرح کوئی لیلیٰ مجنوں کے قصہ کو پڑھتا ہے اور اپنی معشوقہ کو یاد کرتا ہے اور جو معاملہ اس کے اور معشوق کے درمیان گذرا ہوتا ہے اسے مستحضر کرتا ہے"[۴۶]

دوسری طرف وہ تفسیر کو خود ہی دو خانوں میں تقسیم کرتے ہیں ایک اہل ظاہر کی تفسیر دوسری حکماء ربانیین کی تفسیر۔ وہ لکھتے ہیں کہ

تفسیر ظاہر کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کو عربی زبان میں کامل دسترس حاصل ہو اور حدیث میں کافی دستگاہ ہو۔ اس سے اس کے اندر اتنا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ مواقع کلام کو سمجھ سکے اور قرآن مجید کی آیات سے صحیح طریقہ پر استنباط کر سکے جو نہ تو اہل زبان کے محاوروں کے خلاف ہو اور نہ کوئی حدیث مرفوع اس کے خلاف ہو۔ تفسیر کی دوسری قسم ان حضرات کے حصہ میں آتی ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کر کے حکمت اور عصمت و وجاہت کے تقاضوں کو کما حقہ پورا کیا ہو، الٰہیات اور معادیات وغیرہ کے حقائق پر ان کا علم محیط ہو، قرآنی آیات کے مناط پر ان کی نظر ہو اور وہ اپنی تیز فہم و بصیرت سے ہر آیت کے متعلق یہ کہنے کے قابل ہوں کہ اس کا صدور کونسی بارگاہ سے ہوا ہے۔ قرآن مجید پر کامل ایمان رکھنے کی حقیقت یہی ہے اور تصدیق کا یہ منتہائے کمال ہے۔[۷۶]

گویا شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ دونوں ہی باطنی تفسیر اور صوفیانہ اشارات پر مشتمل تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے مگر حکمت و معرفت پر مشتمل تفسیر کو دونوں تسلیم کرتے ہیں ایک علم لدنی کے نام سے اور دوسرے حکماء ربانیین کے تفسیر کے نام سے۔ اگرچہ ابن تیمیہ کے یہاں بھی تفسیر ظاہر کو معیار اور حجت قرار دیتے ہیں اور دوسری تفسیروں کو اس پر پرکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ علم لدنی کے سلسلہ میں اصول و ضوابط کا کوئی تعین نہیں ہو سکتا اس لئے یہ فیصلہ کرنا بھی آسان نہ ہوگا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جن کا دعوی علم لدنی درست اور دوسروں کا غلط ہے۔ اسی طرح حکماء ربانیین کی تفسیر کا معیار بھی مقرر کرنا مشکل ہوگا اور اگر وہ معیار ہو جو تفسیر بالماثور کا ہے تو ظاہری تفسیر سے اس کے امتیاز کی کوئی وجہ نہیں نیز یہ معلوم کرنا کہ فلاں آیت کا صدور کونسی بارگاہ سے ہوا ہے نہ تو علم تفسیر کا کوئی علمی نکتہ ہے اور قرآن فہمی کے سلسلہ میں اس کی چنداں ضرورت ہے اور نہ ہی اس کو معلوم کرنے کا کوئی معتبر ذریعہ ہے۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر کے باب میں اس کی گنجائش ہے۔

اختلاف رائے کی مثالیں

مناہج تفسیر میں اتفاق اور مماثلت کے مذکورہ پہلوؤں کے ساتھ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی تفسیری کوششوں میں اختلاف رائے اور نقطہائے نظر کی عدم مماثلت کے بہت سے پہلو قابلِ مطالعہ ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم یہاں چند مثالوں پر اکتفا کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں علماء اپنی مستقل فکر اور مکمل آگہی رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کا اعادہ نہیں ہے۔

سورۂ ہود کی آیت ۱۷ "اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ" کی تفسیر کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ نے بینہ سے مراد علم نافع اور شاہد سے مراد عمل صالح لیا ہے[۶۸] جب کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک بینہ سے مراد دلیل عقلی ہے اور شاہد سے مراد قرآن کریم ہے[۶۹]

سورۂ یونس کی آیت ۶۶ "وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ" کا ترجمہ شاہ ولی اللہ اس طرح کرتے ہیں:

جو لوگ اللہ کے علاوہ شرکاء کی پیروی کرتے ہیں وہ درحقیقت پیروی نہیں کرتے مگر وہم کی اور وہ نہیں ہیں مگر جھوٹے"[۷۰] گویا حرف "ما" شاہ صاحبؒ کے نزدیک نفی کے لئے ہے مگر ابن تیمیہؒ اس کو غلط سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ ما نافیہ ہے حالانکہ یہ غلطی ہے تو یہ استفہام کے لئے ہے ــــ اگر یہ استفہام کے بجائے نفی کے لئے ہوتا تو یوں کہا جاتا ان یتبعون الا من لیس شرکاء حالانکہ یہ بیان کیا جارہا ہے کہ مشرکوں کے پاس علم نہیں ہے وہ تو گمان اور اٹکل ہے[۷۱]۔

سورہ ہود کی آیت ۱۰۸ "وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" میں ابن تیمیہؒ کے نزدیک یہ آسمان وزمین جنت کے ہیں اور اس کے ثبوت میں انھوں نے بخاری ومسلم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت فردوس مانگو کیونکہ اعلیٰ جنت ہے"[۷۲] مگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں کہ "جنت وجہنم میں رہنے کی مدت دنیا میں آسمان وزمین کے رہنے کی مدت کے مانند ہوگی"[۷۳]

سورۃ البقرہ کی آیت ۳۰، "وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً" میں لفظ خلیفہ شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ دونوں کے نزدیک بڑی اہمیت کا

حامل ہے اور دونوں نے اس کی باہم مختلف بلکہ متضاد تفسیریں کی ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نظریہ خلافت اور اس کے معانی و تقاضوں پر ازالۃ الخفا میں سیر حاصل بحث کی ہے وہ قرآن کی دوسری آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ" کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ان کو خلیفہ بنانے والا ہے اور یہ استخلاف اسی سے منسوب ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور لطیف لما یشاء ہے جس وقت دنیا کی اصلاح خلیفہ کے مقرر کرنے میں مضمر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ امت کے دل میں الہام فرماتا ہے کہ حکمت الٰہی جس کو خلیفہ بنانے کی متقاضی ہے اسے خلیفہ بنائے"[۱۶۵] گو کہ شاہ صاحبؒ نے اس کی صراحت نہیں کی ہے مگر مذکورہ اقتباس اور فتح الرحمٰن کے ترجمے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب انسان کو خلیفۃ اللہ تسلیم کرتے ہیں مگر ابن تیمیہؒ کا موقف اس سلسلہ میں بہت سخت ہے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ: فمن جعل له خليفة فهو مشرك به[۱۶۶] جو شخص کسی کو اللہ کا خلیفہ مانتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے ابن تیمیہؒ کے اس سخت موقف کا پس منظر یہ ہے کہ حلولی، وجودی اور دیگر گمراہ فرقے یہ سمجھتے تھے کہ انسان اللہ کا خلیفہ ہے بایں طور کہ اللہ اس میں حلول کر گیا ہے ظاہر ہے کہ کفر صریح ہے جس کا قائل اہل سنت میں کوئی نہیں۔

سورہ ابراہیم کی آیت ۲۴، اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ الخ کی تشریح ابن تیمیہؒ اس طرح کرتے ہیں "اصول ایمان کی جڑ مومن کے دل میں اس پاک درخت کی جڑ کی طرح ثابت ہے جس کی شاخیں آسمان میں ہیں"[۱۶۷]

شاہ ولی اللہ اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں "شریعت حق عالم ملکوت میں ثابت ہے اور دنیا میں اسے روزانہ تازگی ملتی ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں"[۱۶۸]

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۰، وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا میں شاہ صاحبؒ کے نزدیک سلطان سے مراد "طاقت" ہے[۱۶۹] جب کہ ابن تیمیہؒ نے حجت اور علم کو ترجیح دی ہے[۱۷۰]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہ دونوں کی تفسیری جد و جہد قرآن کے

طالب کے لئے مشعلِ راہ اور رہنما خطوط ہے دونوں کے نقطہائے نظر میں جزوی اختلاف کے باوجود بڑی مماثلت ملتی ہے اصولی طور پر اگر ابن تیمیہؒ فنِ تفسیر میں قرآن وسنت کے بعد صحابہ وتابعین کو حجت مانتے تو شاہ ولی اللہ بھی اس حد سے تجاوز نہیں کرتے مگر فن تفسیر میں دوسرے معاون علوم کی تطبیق وتشریح میں ابنِ تیمیہؒ اور شاہ صاحبؒ کے استدلال میں اختلاف کا ہونا ایک ناگزیر بات ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ کے اس قول سے صورت حال کو سمجھا جاسکتا ہے وہ کہتے ہیں "معانی و بیان وہ علم ہے جو صحابہؓ وتابعینؒ کے گذرنے کے بعد وجود میں آیا ہے تو جو کچھ جمہور عرب کے عرف میں سمجھا جاتا ہے وہ سر آنکھوں پر اور جو امر مخفی ہے کہ اس فن کے ماہرین کی خبر سے بھی واضح نہیں ہوتا تو ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ قرآن کا مطلوب ہے"۔[۱۵]

حوالہ جات

۱۔ محمد منظور نعمانی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیم حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اکابر جماعت دیوبند کی نظر میں، ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ جمادی الاخریٰ ورجب ۱۳۹۲ھ

۲۔ خواجہ محمد امین کشمیری، مجموعہ کتاب مکتوب شاہ ولی اللہ، طابع سید احمد دہلی،

۳۔ ابن تیمیہ، تفسیر سورۃ النور، مجموع تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مطابع الریاض، ص ۱۳۶

۴۔ اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایۃ، دارالفکر العربی، بیروت، جلد ۱۳، ص ۳۴۰

۵۔ ابن عبدالہادی، العقود الدریۃ، مصر ص ۲۶ ۶۔ ایضًا

۷۔ محمد ابوزہرہ، ابن تیمیہ، حیاتہ وعصرہ آراوہ وفقہہ، دارالفکر العربی ۱۹۵۸ء، ص ۱۱، ۵۱۰

۸۔ ابن تیمیہ، مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، بمبئی ۱۹۵۴ء، ص ۱۰

۹۔ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، لکھنؤ ۱۹۸۳ء جلد ۲، ص ۱۴۲،

۱۰۔ ابن تیمیہؒ وجہودہ فی التفسیر المکتب الاسلامی بیروت، ص ۹۴

۱۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت ۲/۳۲۷ ۱۲۔ العقود الدریۃ، ص ۲۶

۱۳۔ ایضًا ص ۲۷ ۱۴۔ ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ، ص ۵۱۲

۱۵ ابن قیم الجوزیۃ، اسماء ومولفات ابن تیمیہ تحقیق وتعلیق صلاح الدین المنجد، بیروت

۱۶ ابن تیمیہ حیاتہ وعصرہ۔

۱۷ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مطبع محمدی دہلی، ص ۶۰

۱۸ عبید اللہ سندھی، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، لاہور سنہ ۱۹۴۴ء، ص ۹۱

۱۹ تفصیل کے لئے دیکھیے راقم کی کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ، نئی دہلی سنہ ۱۹۹۴ء

۲۰ ابن تیمیہ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مکتبہ المعارف المغرب جلد ۱۳، ص ۳۳۲

۲۱ شاہ ولی اللہ، فتح الرحمٰن، مطبع انصاری دہلی سنہ ۱۳۰۳ھ، مقدمہ

۲۲ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۳۶۴، ۳۶۲ ۲۳ ایضاً ص ۳۶۳ ۲۴ ایضاً ص ۵۹، ص ۳۵۴

۲۵ ابن تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، قاہرہ سنہ ۱۳۹۷ھ ص ۲۷ ۲۶ الفوز الکبیر، ص ۶۶

۲۷ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مطبع رشیدیہ، دہلی، جلد ۱، ص ۱۷۱ ۲۸ الفوز الکبیر، ص ۲۵

۲۹ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۲۹۴ ۳۰ ابن تیمیہ بیان موافقۃ صریح المعقول بصحیح المنقول، علی ہامش منہاج السنۃ، بولاق سنہ ۱۳۲۱ھ جلد ۱، ص ۱۱۵ ۳۱ ایضاً، ص ۱۰

۳۲ ابن تیمیہ، مجموعۃ الرسائل الکبری، دار الفکر سنہ ۱۹۸۰ء، جلد ۲، ص ۳۶ ۳۳ الفوز الکبیر، ص ۶۹

۳۴ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۲۹۱ ۳۵ الفوز الکبیر، ص ۵۹

۳۶ ابن تیمیہ، الرسائل والمسائل، دار الکتب العلمیہ، بیروت سنہ ۱۹۸۳ء، ص ۸۷-۸۱

۳۷ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۳۳۹ ۳۸ ایضا، ص ۳۴۰ ۳۹ الفوز الکبیر ص ۳۱

۴۰ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۲۸۴ ۴۱ ایضاً، ص ۴۴-۱۴۳ ۴۲ ابن تیمیہ، تفسیر سورۃ الاخلاص، مطبع حسینیہ مصریہ سنہ ۱۳۲۳ھ ص ۸۱ ۴۳ رشید رضا، تفسیر المنار، مصر سنہ ۱۳۲۵ھ جلد ۲، ص ۱۷۲

۴۴ فتح الرحمٰن، سورہ آل عمران: ۷ ۴۵ ایضاً ۴۶ حجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۱۷۱

۴۷ الفوز الکبیر، ص ۶۶ ۴۸ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۳۰-۲۹

۴۹ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص ۳۶ ۵۰ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، دار الندوۃ الجدیدۃ بیروت، جلد ۱ ص ۶۴ ۵۱ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/ ۳۹۶

۵۲ ایضاً ص ۱۴۰ ۵۳ الفوز الکبیر، ص ۶۱ ۵۴ ایضاً

۵۵ محمد اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان والنذر، باب لا تحلفوا بآبائکم

۵۶ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/۳۱۴

۵۷ حمید الدین فراہی، اقسام القرآن، ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ص ۸۱

۵۸ الفوز الکبیر، ص ۴۹ ۵۹ شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر، قرآن محل کراچی، ص ۸۱ - ۲۸۵

۶۰ الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل

۶۱ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/۳۶۶ ۶۲ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۶۲

۶۳ فتح الرحمٰن، مقدمہ ۶۴ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/۳۶-۲۳۰

۶۵ ایضاً، ص ۲۴۵ ۶۶ الفوز الکبیر، ص ۶۷ ۶۷ الخیر الکثیر، ص ۸۴-۲۸۳

۶۸ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۵/۶۲ ۶۹ فتح الرحمٰن، حاشیہ سورہ ہود: ۱۷۰

۷۰ ایضاً سورہ یونس: ۷۶ ۷۱ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۵/۶۱ ۷۲ ایضاً ص ۱۰۹

۷۳ فتح الرحمٰن، حاشیہ سورہ ہود آیت: ۱۰۸ ۷۴ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مطبع صدیقی
بریلی، جلد ۱ ص ۱۹ ۷۵ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۳۵/۴۵

۷۶ ایضاً، ۱۳/۱۵۸ ۷۷ فتح الرحمٰن، سورۃ ابراہیم آیت: ۲۴

۷۸ ایضاً سورۃ بنی اسرائیل: ۸۰ ۷۹ مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۱۳/۱۲

۸۰ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۶۷

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۱۱/۱،۲ جنوری۔ دسمبر ۱۹۹۶ء

اُردو میں قرآنی مطبوعات

کتابیات

ابوسفیان اصلاحی

[اردو میں قرآنیات کے مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی مطبوعات کی کتابیات کی یہ چھٹی قسط ہے۔ اس قسط میں قرآنِ کریم اور دُعا، قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتابیں، قرآنِ کریم اور سنّت رسول، قرآنِ کریم اور عربی ادب، قرآن کریم اور معترضین، قرآنِ کریم، سائنس اور علمِ جدید پر شائع ہونے والی کتب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کی قسطوں میں تحقیقات قرآنیات و قرآنی اشاریے، اصول تفسیر، اعجاز القرآن، تاریخ نزول وتدوین۔ قرآن اور تعلیمات قرآن، تفسیر وتاویل، فقہ القرآن اور قرآن کریم اور علمِ قرأت کا احاطہ کیا گیا تھا۔]

قرآن کریم اور دُعا

احسن البیان فی خواص القرآن۔ محمد احسن۔ مکتبہ اسحاقیہ، کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۵۶

آیات قرآنی اعمال مجربہ اوراد القرآن۔ اشرف علی تھانوی۔ عباسی کتب خانہ کراچی (بدون تاریخ) ص ۱۶

احکام وخواص بسم اللہ۔ محمد شفیع۔ ادارہ المعارف۔ کراچی۔ سنہ ۱۹۸۳ء ص ۱۴۰۔

ادعیۃ القرآن۔ محمد نذیر احمد۔ مطبع قاسمی۔ دہلی ۱۳۲۱ھ ص ۱۰۰

ادعیۃ القرآن۔ فقیر اللہ۔

ادعیۃ القرآن وادعیۃ الرسول۔ شمس الدین۔ کواپریٹیو پریس۔ لاہور ۱۹۵۱ء ص

اُردو دعائیں۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ حلقہ نظام المشائخ۔ دہلی ۱۹۲۶ء ص ۸۰

اعمال قرآنی۔ اشرف علی تھانوی۔ مطبع الرحمٰن کانپور ۱۹۲۵ء ص ۸۰

ترجمہ مجربات احمد دیربی (ادعیۃ القرآن کا مجموعہ) بشارت علی خاں ۱۸۷۵ء ص ۲۷۱

جواہر القرآن (ادعیۃ القرآن) فقیر محمد صادق۔ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۶۵۔

جواہر القرآن مع دعائے عاشور۔ محمد احسن صدیقی۔

دعوت القرآن ووظائف تراب۔ تراب علی۔ گوالیار پریس گوالیار ۱۹۲۰ء ص ۳۲

الدعاء والاستجابہ۔ السید احمد۔ مفید عام۔ آگرہ۔ لاہور ۱۲۹۲ھ ص ۱۱

حبیب الاوراد (قرآن کی روشنی میں) حیدر آباد دکن (بدون تاریخ)

حبیب ادعیۃ القرآن · فہرست مطبع حیدری، حیدر آباد دکن (بدون تاریخ) ص ۷۰

دعاء المرسلین ماجاء فضلہ فی الکتاب المبین۔ محمد ابراہیم مطبع اکسیر اعظم۔ بنارس (بدون تاریخ) ص ۱۶۔

دعائیں (قرآن وحدیث سے) بشیر۔

دعائیں (ادعیۃ القرآن مع فوائد) علامہ راشد الخیری۔ عصمت بک ڈپو۔ دہلی ۱۹۲۵ء ص ۶۴

روح القرآن (یعنی قرآنی ناشتہ) قیصر ہند۔ دہلی (بدون تاریخ) ص ۲۸۰۔

طب روحانی مع خواص القرآن۔ محمد ابراہیم دہلوی۔ دار الاشاعت۔ کراچی ۱۹۸۴ء ص ۱۹۱

علم الدعاء من القرآن۔ عبد اللہ ابو البرکات۔ مطبع اختر دکن۔ حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ ص ۱۶۹

قرآن اور دعا۔ محمد نثار اللہ عمری۔ ادارہ تحقیقات اسلامی۔ عمر آباد ۱۹۸۲ء ص ۲۲۶۔

قرآن وحدیث سے منتخب دعائیں۔ ابو سلیم محمد عبد الحئی۔

قرآنی دعائیں۔ سید حسن۔ دارالاشاعت۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۱۲

قرآنی دعائیں۔ بشیر احمد دہلوی۔ میر محمد کتب خانہ۔ کراچی (بدون تاریخ)

قرآنی دعائیں۔ محمد حنیف۔

قرآنی دعائیں۔ محمد منیر۔ مدینہ فاؤنڈیشن بک ڈپو۔ ۱۹۷۹ء۔

قرآنی دعائیں۔ محمد فاروق۔ کتب خانہ سعدیہ۔ حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء ص ۶۴۔

قرآنی نبوی دعائیں۔ خان محمد ربانی۔ فرینڈ پبلیکیشنز۔ ملتان (بدون تاریخ) ص ۹۶

وظیفہ قرآنی۔ قدرت حلیم (حوالہ: فہرستِ کتب خانہ عام اہلِ اسلام) مدراس (بدون تاریخ) ص ۲۳۔

وظیفہ کریمہ (قرآن وحدیث سے ہر قسم کی دعائیں اس میں جمع کی گئی ہیں) محمد عنایت احمد کاکوروی۔ لکھنؤ۔ ۱۲۹۲ھ۔

قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتابیں

انجیل اور قرآن کا مقابلہ۔ عبداللہ۔ نظامی بک ایجنسی۔ بدایوں۔

انوار الانبیاء (ومصلحین کا ذکر جن کے نام قرآن کریم، احادیث صحیحہ، بائیبل اور دیگر مستند تاریخی کتب میں آیا ہے) شیخ غلام علی۔ شیخ غلام اینڈ سنز۔ لاہور ۱۹۵۹ء۔ ص ۴۵۶۔

بائیبل سے قرآن تک۔ رحمت اللہ کیرانوی (مترجم اظہار الحق کراچی) مکتبہ دارالعلوم ۱۳۸۹ھ

تاریخ صحف سماوی۔ سید نواب علی۔ مطبع نولکشور۔ لکھنؤ۔ ۱۹۱۹ء۔ ص ۲۲۴۔

تاریخ صحف سماوی۔ نواب علی۔ مکتبہ افکار۔ کراچی ۱۹۶۰ء ص ۳۶۸۔

تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام۔ سرسید احمد خان۔ غازیپور ۱۲۷۸ھ جلد اول، ص ۴۴۴، جلد دوم، ص ۳۱۰

تقابل ثلاثہ۔ ثناء اللہ امرتسری۔ دفتر اہلِ حدیث۔ امرتسر ۱۳۱۷ھ۔ ص ۱۲۸۔

تورات۔ انجیل۔ قرآن۔ برکت حسین۔ دفتر رسالہ مولوی۔ دہلی ۱۹۴۲ء۔

حضرت آدم کی کہانی۔ قرآن اور انجیل کی زبانی۔ آغا غیاث الرحمٰن انجم۔ الکتاب لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۸۴۔

شہادت قرآنی بر کتب آسمانی۔ شیو پرشاد۔ امریکن مشن پریس۔ لدھیانہ ۱۸۸۷ء، ص ۲۴۲

شہادت قرآنی برکت ربانی۔ شیو پرشاد۔ امریکن مشن پریس۔ لدھیانہ ۱۸۸۷ء، ص ۲۴۲

صحیفۂ آسمانی۔ عبد الرشید۔ ہاشمی سنز۔ لاہور ۱۹۵۶ء، ص ۵۶۴۔

صداقت قرآنی از کتب ربانی۔ سلیم اللہ۔ اخبار منشور محمدی۔ ۱۲۹۴ھ ۔ ۳۰/۶۔

عیسائیت قرآن اور انجیل کی روشنی میں۔ عبد الوحید خاں۔ بار اول۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۳۱۲۔

فضائل قرآنی بر صحف آسمانی۔ محمد رحیم بخش دہلوی۔ افتخار احمد کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۴۸۔

کتب سماوی پر ایک نظر۔ سید ذوقی شاہ۔ اقبال اکیڈمی۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۷۸

وید مقدس اور قرآن کریم۔ ناصر الدین عبد اللہ۔ سلیمانی پریس بنارس (بدون تاریخ) ص ۱۴۴۔

قرآن کریم اور سنّت رسول

احادیث رسول اور قرآن مجید۔ سید حامد علی۔ ادارہ شہادت حق۔ میرٹھ ۱۹۶۷ء، ص ۴۸

ارکانِ اربعہ اور اسلامی عبادات کتاب و سنت کی روشنی میں۔ سید ابو الحسن علی ندوی۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ ۱۹۷۶ء، ص ۳۹۹۔

اساس تہذیب ماخوذ از قرآن و حدیث۔ سید عبد اللطیف۔ حیدر آباد دکن ۱۹۵۶ء ص ۱۹۶۔

اسلام کتاب و سنّت کے مطابق دینی واخلاقی، معاشرتی اور ثقافتی موضوعات پر بصیرت افروز مقالات۔ ملا جلال الدین روانی۔ فیروز سنز ٹرسٹ۔ لاہور۔ ۱۹۶۴ء، ص ۵۲۱

اسلامی اخلاق از روئے قرآن وحدیث۔ محمد سعید اینڈ سنز کراچی (بدون تاریخ)۔ ص ۱۲۴۔

اسلامی اخلاق قرآن وسنت کی روشنی میں۔ سید حسن۔ مکتبہ تفسیر القرآن (بدون تاریخ) ص ۱۲۸

اشرف البیان فی علوم الحدیث۔ اشرف علی تھانوی۔ ص ۲۶۴

اقلیت اور اکثریت کے مسائل۔ کتاب وسنت کی روشنی میں۔ عبدالرؤف رحمانی کوہ نور دہلی۔ ۱۹۶۳ء ص ۹۶۔

بازار رشوت قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ محمد عبدالرحمٰن خاں۔ جامعہ اشرفیہ لاہور ۱۹۶۵ء۔ ص ۱۷۶۔

تائید محمد والقرآن (مترجم ابوالحسن) کتب خانہ اسلامیہ پنجاب۔ لاہور ۱۲۸۷ھ

تحقیق سید وسادات: قرآن، حدیث، تاریخ وانساب کی روشنی میں۔ محمود احمد عباسی۔ مکتبہ محمود، کراچی۔ ۱۳۸۳ھ ص ۳۵۲۔

تفسیر وحدیث۔ عبدالستار چودھری۔ نیشنل بک سنٹر آف پاکستان کراچی۔ ۱۹۷۴ء ص ۵۰

تشریح القرآن والحدیث۔ محمد عبدالسلام صدیقی۔ علمی کتاب گھر، کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۳۲

جمع القرآن والاحادیث۔ ابوالقاسم محمد خان یوسف۔ باراول۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۶۴۔

جنت: قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں۔ سید حامد علی۔ ادارہ شہادت حق۔ دہلی ۱۹۷۸ء ص ۱۷۶

جہاد اسلامی (قرآن وحدیث کی روشنی میں) خلیل احمد حامدی۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۳۸۷ھ ص ۲۷۹۔

چہل حدیث متعلقہ فضائل قرآن مجید۔ محمد زکریا۔ مکتبہ صدیقیہ۔ ملتان (بدون تاریخ) ص ۱۳۴

حج کی فلاسفی اور اس کے ارکان بروئے قرآن وحدیث۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام ۱۹۶۲ء۔ ص ۱۰۳۔
حدیث اور قرآن۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ مکتبہ چراغ۔ کراچی ۱۹۵۴ء۔ ص ۱۵۱۔
حدیث رسول کا قرآنی معیار۔ محمد طیب۔ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۲۸
خلافتِ راشدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ۔ فیض عالم صدیقی۔ ولی اللہ خاں بنگش کوہاٹ (بدون تاریخ) ص ۴۴
داعیہ قرآنیہ۔ غلام مصطفیٰ (بدون تاریخ)
رسول اور سنت رسول قرآن اور عقل سلیم کی روشنی میں۔ ابوالسلام نعیم صدیقی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور ۱۹۶۰ء ص ۲۷۔
ریحان القرآن بجواب "مضرۃ الحدیث احمد الدین خواجہ، مولوی حبیب الرحمن و عقائد کفریہ" قاسمی وغیرہ۔ امرتسر (بدون تاریخ) ص ۱۰۰
سنت قرآن حکیم کی روشنی میں۔ عبدالغفار حسن۔ جمعیت اہل حدیث کراچی (بدون تاریخ) ص ۴۶۔
سنت قرآن کے آئینہ میں۔ محمد اسماعیل۔ اشرف لاہور (بدون تاریخ) ص ۳۲۔
سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں۔ محمد ادریس میرٹھی۔ مکتبہ اسلامیہ کراچی ۱۹۶۷ء۔ ص ۲۴۰۔
سنت نبویہ اور قرآن کریم۔ محمد حبیب اللہ مختار۔ مکتبہ نبویہ۔ کراچی ۱۴۰۲ھ ص ۲۶۰
سوشلزم کے خلاف ۱۱۳ علماء کے فتوے کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں۔ مجتبیٰ فاروقی۔ مکتبہ فروغ سنت رسول ۱۹۷۰ء ص ۳۲۔
شاہ ولی اللہ اور قرآن وحدیث۔ عبید اللہ سندھی۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ دہلی (ص ۲۰۔
صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین بماخذ قرآن مجید صحیح بخاری، صحیح مسلم جماعت المسلمین کراچی ۱۹۷۶ء ص ۱۰۲۱۔

عقیدۂ ظہور مہدی قرآن کریم احادیث نبوی اور تاریخ کی روشنی میں۔ حبیب الرحمٰن کاندھلوی

علوم القرآن۔ سراج الحق۔ مطبع اسرار کریمی ۱۹۴۵ء۔

فضائل قرآن (مشکوٰۃ المصابیح کے باب کتاب فضائل القرآن کے عام فہم مطالب) ابوالاعلیٰ مودودی۔ البدر پبلیکیشنز۔ لاہور۔ ۱۹۷۷ء ص ۱۵۵۔

فضائل قرآن مجید کی چہل حدیث۔ محمد زکریا۔ طبع سوم۔ ادارہ اشاعتِ دینیات دہلی (بدون تاریخ) ص ۷۲۔

کتاب و حکمت۔ محمد۔ رامپور۔ ۱۹۷۹ء ص ۱۴۴۔

کتاب و سنت۔ جمال الدین۔ مکتبہ جامعہ۔ نئی دہلی۔ ۱۹۷۲ء ص ۱۱۲۔

کتاب و سنت۔ خالد بزمی۔ قیومی کتب خانہ۔ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۳۱۹۔

کتاب و سنت غیروں کی نظر میں۔ محمد عبدالحامد بدایونی وقادری۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی (بدون تاریخ) ص ۷۲

قرآن اور حدیث۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

قرآن اور حدیث۔ فضل الٰہی ملک۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۶ء ص ۱۱۶

قرآن اور صاحبِ قرآن۔ بشیر احمد چودھری۔ مکتبہ اشاعت۔ لاہور۔ ۱۹۷۵ء ص ۲۰۴

قرآن و حدیث۔ قاری محمد طیب۔ ادارہ علومِ شرقیہ۔ کراچی ۱۹۶۴ء ص ۱۱۶۔

قرآن و حدیث کے نورانی احکام۔ سید محمد ضیاء الحق قدیری۔ فروغِ اسلام فاؤنڈیشن راولپنڈی ۱۹۶۸ء ص ۹۴۔

قرآن، حدیث، فقہ کے مباحث پر تفصیلی بحث۔ غلام رسول۔ علمی کتب خانہ۔ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۹۴۔

قرآن کی معنوی تحریف اور انکارِ حدیث کے فتنے کا سدباب۔ غلام دستگیر۔ دائرۃ الاصلاح لاہور۔ (بدون تاریخ) ص ۶۲۔

قوانین اسلامی کے نفاذ کا مسئلہ قرآن و سنت کی روشنی میں۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۱۹۷۱ء ص ۳۳۶۔

مال" قرآن و سنت کی روشنی میں۔ محمد واصل عثمانی۔ لائبریری پرموشن بیورو۔ ۱۹۷۶ء ص ۱۴۴۔

مطالعۂ قرآن و حدیث۔ محمد ارشد خان۔ اصباح الادب۔ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۵۷۵

مودودی صاحب کے غلط نظریات از روئے قرآن، حدیث، سنت انبیا علیہم السلام اور عقل عام۔ کریم الدین۔ مکتبہ اسلام دیوبند (بدون تاریخ) ص ۱۷۶۔

معرکۂ ایمان و مادیت: سورہ کہف کا مطالعہ تفسیر قرآن، حدیث، قدیم تاریخ، جدید معلومات اور حالات حاضرہ کی روشنی میں۔ ابوالحسن ندوی (مترجم ابو محمد حسنی) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ ۱۹۷۵ء ص ۱۴۹

مواعظ القرآن والحدیث۔ سید محمد معصوم شاہ گیلانی۔ نوری، قادری۔ لاہور (بدون تاریخ) ۲/۱۶۲۔

ہمارا ضابطۂ حیات! قرآن و سنت۔ فقہ اسلامی اور تاریخ اسلام کا مستند ذخیرہ۔ محمد عبدالقیوم ندوی۔ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ (بدون تاریخ)

نزول عیسیٰ: حضرت عیسیٰ کا رفع و نزول حدیثی و عقلی روشنی میں۔ سید محمد بدر عالم میرٹھی ادارہ شہادت اسلام۔ لاہور ۱۳۷۷ھ ص ۱۹۷

قرآن کریم اور عربی ادب

احسن البیان فی خواص القرآن۔ سید محمد حسن بہاری۔ مکتبہ اسحاقیہ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۶۔

اردو میں قرآن و حدیث کے محاورات۔ غلام مصطفیٰ خاں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی ۱۹۸۰ء ص ۱۰۸۔

امثال القرآن۔ ابن قیم (مترجم محمد ایوب اصلاحی) مکتبہ دانش۔ لاہور ۱۳۷۶ھ ص ۸۳

بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان۔ حسین علی مجددی۔ غلام رسول سورتی۔ بمبئی (بدون تاریخ) ص ۴۴۸۔

البیان فی آداب القرآن ۔ امام نووی (مترجم سید حسن ٹونکی) پاکیزہ دار الکتب ۔ حیدرآباد دکن ۱۹۶۱ء ۔ ص ۱۵۵

البیان فی اسلوب الفرقان ۔ عرفانی الکبیر ۔ اشوک پرنٹنگ پریس حیدرآباد دکن ۱۹۴۹ء ص ۲۷۲ ۔

البیان لفصاحۃ القرآن ۔ محمد عبد الواحد ۔ انتظامی پریس کانپور ۱۳۱۱ھ ص ۵۶ ۔

تصورات قرآن ۔ ابو الکلام آزاد (مرتب سید عبد اللطیف) مکتبہ اردو ادب، لاہور ۔ بدون تاریخ)

تمثیلات قرآنی ۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی ۔ بار اول ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۲ء ص ۱۸۱

جمالیات : قرآن کی روشنی میں ۔ نصیر احمد ناصر ۔ ترقی ادب ۔ لاہور ۔ ۱۹۵۵ء ص ۲۷۹

الدرر المنثورات فی ربط السور والآیات ۔ محمد امیر ثنائی پریس سرگودھا (بدون تاریخ) ص ۲۴ ۔

عجائب البیان فی فضائل القرآن ۔ محمد اسحاق بنارسی ۔ نول کشور ۔ لکھنؤ ۔ ص ۳۲ ۔

عربی : قرآن کی زبان ۔ نذر احمد ۔ عالمی ادارہ اشاعت ۔ علوم اسلامیہ ۔ ملتان ۱۹۶۵ء ص ۱۸

علم الترجی من القرآن ۔ ابو البرکات محمد عبید اللہ ۔ مطبع اختر ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۴۲

قرآن اور ادب ۔ زاہد ملک ۔ ادارہ فکر و نظر ۔ کراچی ۔ ۱۹۹۱ء ص ۱۱۲ ۔

قرآن اور جمالیات ۔ اثر فاضلی ۔ مطبوعات حرمت ۔ راولپنڈی ۔ ۱۹۸۰ء ص ۱۷۶ ۔

قرآن کے فنی محاسن ۔ سید قطب شہید (مترجم غلام حریری) فردوس پبلیکیشنز ۱۹۸۳ء ص ۳۶۰

قرآن مجید کا ادبی اعجاز ۔ عبد المغنی ۔ پہلی بار ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۹ء ص ۴۴

قرآن و حدیث کا ادبی رخ ۔ محمد حسین ٹونکی ۔ مکتبہ لائبریری ایسوسی ایشن ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۸۶ ۔

قرآن کریم اور معترضین

دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن ۔ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری ۔ مکتبہ شعیب ۔ کراچی
بدون تاریخ / ص ۵۷ ۔
رسالہ عدم ضرورت قرآن ۔ ٹھاکر داس جی ۔ اہل مشن پریس ۔ لدھیانہ ۱۹۸۲ء / ص ۱۳۵
شیعہ اور قرآن ۔ محمد عبدالشکور فاروقی ۔ مکتبہ فاروقیہ ۔ لکھنؤ ۱۹۸۵ء / ص ۲۲۴ ۔
کفر و اسلام جواب منکرین القرآن ۔ ذوالفقار حیدر ۔ جان ولعل محمد داؤد ۔ بمبئی ۔
(بدون تاریخ) ص ۲۲۴ ۔
یہود کے متعلق قرآن کی پیشین گوئیاں ۔ سید عبدالرؤف عالی ۔ مکتبہ مجلس معارف
القرآن ۔ دیوبند ۱۹۷۰ء / ص ۶۴ ۔

قرآن کریم، سائنس اور علم جدید

ارتقاء انسان اور قرآن کریم ۔ مصلح حیدرآبادی ۔ عباسی کتب خانہ ۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۱۲۰
ارض القرآن ۔ سید سلیمان ندوی ۔ طبع چہارم ۔ دار المصنفین ۔ اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء (دو جلدیں)
ارض القرآن یا جغرافیہ قرآن ۔ عبدالماجد دریابادی ۔ ادارہ فروغ اردو ۔ لکھنؤ (بدون تاریخ)
ص ۳۱۰ ۔
اللہ کی عظمت اور قرآن کا نظریہ علم اور سائنس ۔ عزیز احمد ۔
اللہ کی قرآنی نشانیاں ۔ قرآنی سائنس اور اس کے مقاصد ۔ عبدالقیوم ندوی (بدون
تاریخ) ص ۱۰۶
انکشافات قرآن ۔ مصابی بشارت شکوہ ۔
بائبل، قرآن اور سائنس ۔ مورس بکائے / مترجم ثناء الحق صدیقی / تاج کمپنی ۔ دہلی ۔
۱۹۸۳ء / ص ۴۰۲ ۔
تجلیات حق (قرآن اور سائنس کی روشنی میں) الطاف احمد اعظمی ۔ مرکز تحقیقات

اشاعت علوم قرآن ۱۹۷۸ء، ص ۲۴۸۔

تجلیات قرآن کے چند عجائبات (سائنس کے متعلق) بیگم اسحاق۔ فضلی سنز ۱۹۷۰ء ص ۱۹۵
تحقیق کامل المعروف بہ قرآن حکیم اور سائنس۔ وحید اللہ خاں۔ علوی پریس۔ بھوپال ۱۹۵۴ء، ص ۴۸۔

تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء: قرآنی حقائق و معارف اور جدید سائنسی انکشافات کا ایک جائزہ۔ شہاب الدین ندوی۔ فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ۔ بنگلور۔ ۱۹۷۸ء، ص ۲۲۷۔

تخلیق انسانی کے مراحل اور قرآن کا سائنسی اعجاز۔ محمد رضی الاسلام۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن۔ دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۵۶۔

تسخیر خلاء اور قرآنی ہفت سماوات۔ محمد موسیٰ۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان (بدون تاریخ) ص ۱۸۔

تسخیر قرآن کی روشنی میں۔ محمد عبد الرحمٰن خاں۔ ادارہ اشاعت اسلامیہ۔ ملتان ۱۹۷۰ء ص ۱۸۔

تسخیر قمر اور قرآن۔ مدرار اللہ نقشبندی (بدون تاریخ) ص ۱۴۴۔

تکوین کائنات۔ محمد انور کلیم۔ مکتبہ دار العلوم فیض محمدی۔ خالد آباد۔ فیصل آباد۔ (بدون تاریخ) ص ۱۹۸

جدید سائنس قرآن و سنت کی روشنی میں۔ محمد اسلم نشتر۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۶ء ص ۳۱
جغرافیہ قرآن۔ انتظام اللہ شہابی۔ افغان بک ڈپو۔ لاہور۔ ۱۹۳۰ء ص ۸۴۔
جغرافیہ قرآن و آثار القرآن۔ انتظام اللہ شہابی۔ انجمن اردو۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۹۶
چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں: چند آفاقی دلائل کا جائزہ۔ محمد شہاب الدین ندوی فرقانیہ اکیڈمی۔ بنگلور ۱۹۷۰ء، ص ۷۰۔

جغرافیہ قرآن۔ انتظام اللہ شہابی۔ انجمن ترقی اردو۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۹۵۔
جغرافیہ قرآن۔ عبد الماجد۔ مکتبہ البنوریہ، کراچی۔ ۱۹۵۵ء، ص ۸۰۔
حضور کو معراج کیسے کرایا گیا: قرآن، حدیث اور سائنس کی روشنی میں۔ آغا غیاث الرحمٰن

انجم۔ مکتبہ کارواں۔ لاہور۔ ۱۹۷۵ء ص ۶۷۔

خلائی تسخیر اور قرآن کریم ابو مسعود۔ ادارہ فروغ اسلام۔ شجاع آباد۔ پاکستان ۱۹۶۷ء ص ۲۴۵

روح قرآن اور سائنس۔ دہر علی قریشی۔ گوشۂ ادب۔ لاہور۔ ۱۹۶۰ء ص ۱۸۹۔

سائنٹفک قرآن۔ شورانی۔ قرآن سوسائٹی۔ کراچی (بدون تاریخ) ص ۲۹۔

سفرنامۂ ارض القرآن۔ محمد عاصم۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی۔ ۱۹۷۶ء ص ۳۴۴۔

الشمس والقمر بحسبان۔ عبدالرحمان کیلانی طبع اول۔ مکتبۃ السلام۔ لاہور ۱۹۹۲ء ص ۲۲۷

علم الانسان مالم یعلم: قرآن اور جدید علوم نعیم احسن۔ صریر پبلیکیشنز۔ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۲۶۔

فلسفۂ قرآن اور تصوف بنظر علوم جدیدہ۔ محمد یامین۔ دین محمدی پریس۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۲۳۹۔

قرآن اور آثار کائنات۔ ریاض احمد انجم۔ بار اول۔ اسلامک پبلیکیشنز۔ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۶۸۔

قرآن اور جدید سائنس۔ مورس بکائے (مترجم ثناء الحق صدیقی) بار اول۔ کراچی ۱۹۸۰ء ص ۴۸۔

قرآن اور سائنس۔ محمد اعظم۔

قرآن اور سائنس۔ ایم اے عظیم۔ پبلیشرز یونائیٹڈ لمیٹڈ۔ انار کلی۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۱۲۸۔

قرآن اور سائنس۔ سید قطب۔

قرآن اور سائنس۔ منشی عبدالرحمٰن۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔ ملتان ۱۹۹۲ء ص ۵۵۔

قرآن اور سائنس۔ سید قطب۔ (محمد نجات اللہ صدیقی۔ سلطان احمد اصلاحی) طبع سوم۔ مرکزی مکتبہ اسلامی۔ دہلی۔ ۱۹۹۵ء ص ۹۳۔

قرآن اور سائنس۔ علاء الدین۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔ ملتان (بدون تاریخ) ص ۱۸

قرآن اور عصری تحقیقات۔ عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ۔ چہلیک۔ ملتان

(بدون تاریخ) ص ۱۸۔

قرآن اور علمِ جدید (یعنی احیاء حکمتِ قرآن) محمد رفیع الدین۔ آل پاکستان اسلامک۔ ایجوکیشن لاہور۔ ۱۹۶۰ء ص ۵۹۴۔

قرآن اور علم الافلاک۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی۔ طبع اول۔ مظفر نگر یوپی ۱۹۷۶ء ص ۴۴

قرآن اور نباتات وزراعت کی تدریس۔ ارشد جمیل۔ انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد۔ ۱۹۸۲ء ص ۵۸۔

قرآن اور نئی روشنی۔ طنطاوی جوہری (ترجمہ از حبیب احمد افق کاظمی) برقی بک ڈپو کراچی (بدون تاریخ) ص ۱۲۰

قرآن پاک اور آسمانی پروازیں۔ رہبر معین الدین۔ اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد دکن ۱۹۶۲ء ص ۲۱۶

قرآن حکیم اور اکتشافات جدیدہ۔ محمد شہاب الدین ندوی۔ عالمی ادارہ اشاعت علومِ اسلامیہ۔ ملتان (بدون تاریخ) ص ۱۸۔

قرآن حکیم اور سائنسی تحقیقات۔ علی احمد انصاری۔ بھدوہی۔ ۱۹۶۹ء ص ۴۳۔

قرآن حکیم اور علمِ جنین۔ محمد آفتاب۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی۔ لاہور (بدون تاریخ) ص ۲۲۸۔

قرآن سے ستاروں تک۔ محمد عبداللہ۔ مکتبۂ نور۔ دہلی۔ ۱۹۷۰ء ص ۱۹۹۔

قرآن کی کرن۔ محمد معروف۔ مکتبہ قاسم العلوم کراچی۔ ۱۹۷۶ء ص ۳۰۔

قرآن مجید اور تخلیق انسان۔ محمد احتشام علی۔ دانش محل لکھنؤ۔ ۱۹۶۰ء ص ۴۸

قرآن میں سائنسی رموز۔ اسد اللہ خاں۔ ایجوکیشنل پریس۔ کراچی ۱۹۷۲ء ص ۲۷۲

قرآنی آیات اور سائنسی حقائق۔ ڈاکٹر پلوک نور باقی (مترجم: سید محمد فیروز شاہ) انڈس پبلشنگ کارپوریشن۔ کراچی۔ ص ۸۸

قرآنی محرکات برائے سائنسی تحقیقات۔ محمد سعود انصاری۔ عالمی ادارہ اشاعت علومِ اسلامیہ۔ ملتان ۱۹۷۱ء ص ۱۸۔

کتاب نما

ادارہ

قرآنیات پر نئی کتابیں:

ایران کی چند اہم فارسی تفسیریں

مصنف : کبیر احمد جائسی (علیگ)

ناشر : انجمن فارسی، ۲۴۳۱، حویلی حسام الدین حیدر، بلیماران، دہلی

سن اشاعت: ۱۹۹۶ء، صفحات ۲۰۰، قیمت دوسو روپے

فارسی زبان میں شعر و ادب کے علاوہ اسلامی علوم و فنون کا بہت قیمتی ذخیرہ محفوظ ہے۔ دیگر علوم کے ساتھ ساتھ قرآنیات اور علوم قرآن پر بے شمار کتابیں فارسی زبان میں تصنیف کی گئیں جو اسلام کے علمی ورثہ کے ایک نہایت گرانقدر حصہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بدقسمتی سے پڑھے لکھے حلقوں میں بھی فارسی زبان کے اس کردار کے بارے میں بڑی حد تک عدم واقفیت پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب اس قیمتی سرمایہ سے علمی دنیا کو روشناس کرانے کی طرف ایک قدم ہے۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ایرانی نژاد علما، و فضلا، کی علمی اور ادبی کاوشوں کی زبان عربی تھی جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دینی، علمی اور ادبی زبان تھی بلکہ عظیم اسلامی دولت مشترکہ میں رابطہ کی زبان بھی تھی۔ لیکن خلافت عباسیہ کے زوال و اضمحلال کے نتیجہ میں جب سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی گرفت بھی کمزور ہوئی اور

ایرانی تہذیبی علاقوں میں آزاد حکومتیں قائم ہوئیں تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلامی علوم کو فارسی زبان میں منتقل کیا جائے تاکہ عوام کی ایک بڑی اکثریت کے لئے جو عربی زبان سے بخوبی آگاہ نہ تھی بنیادی اسلامی علوم و معارف سے واقفیت کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ فارسی زبان میں بڑا گراں قدر ذخیرہ تفسیر وجود میں آیا۔ بدقسمتی سے اس نوع کی بہت سی تفسیریں دست برد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ کئی فارسی تفسیروں کے صرف نام ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ بعض تفسیروں کا کچھ حصہ محفوظ رہ گیا۔ حالانکہ ان کے اور مفسروں کے نام تک ضائع ہونے سے نہ بچ سکے۔ اور کون جانتا ہے کتنی اور ایسی تفسیریں ہیں جو منتظر ہیں کہ کوئی ان کے اوراق سے صدیوں کی گرد صاف کر کے ان کے اندر پوشیدہ علوم و معارف تک اہلِ علم و دانش کی رسائی کی راہ ہموار کرے۔

اس کتاب میں جن فارسی تفسیری کاوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے ان کو زمانی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ ان میں ترجمہ تفسیر طبری، بخشی از تفسیر کہن، تفسیر قرآن، تفسیر پاک اور تفسیر سور آبادی شامل ہیں۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تفسیری خدمات

مصنف : احمد اسماعیل البسیط

مترجم : عبد القیوم

ناشر : اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۷۸۱، حوض سوئی والان، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

سن اشاعت : ۱۹۹۷ء، صفحات ۲۳۱، قیمت ۹۵ روپے

حضرت حسن بصریؒ (۲۱ — ۱۱۰ھ ۶۴۲ — ۷۲۸ء) کا شمار اکابر تابعین میں ہوتا ہے۔ علم و فن، زہد و تقویٰ، وعظ و ارشاد اور تعلیم و تدریس کے میدان میں ان کا مرتبہ بہت بلند اور ان کی خدمات نہایت عظیم الشان اور دور رس نتائج کی حامل رہی ہیں۔ ان کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی اور زندگی کا بیشتر حصہ بصرہ میں گذرا۔ والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ

کی باندی تھیں۔ اور والد ایک انصاری کے مولی تھے۔ انھیں متعدد صحابہ کرامؓ سے کسب فیض کی سعادت حاصل ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق وہ ۱۳۰۰ صحابہ کرامؓ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ انھوں نے ۹۰ سال کی طویل عمر پائی اور تاریخ اسلام کے بہت سے اہم موڑ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گذرے۔ انھوں نے یہ طویل عمر حصول واشاعت علم اور اصلاح معاشرہ کے کام میں صرف کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کی بے شمار علمی، اصلاحی اور فکری تحریکات کی جڑیں ان کے مکتبِ فکر تک پہونچتی ہیں اور ان پر ان کے افکار و نظریات کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا دور شدید مسلکی اور نظریاتی تنازع اور کشاکش کا دور تھا اور عالم اسلام کے طول وعرض میں مختلف الخیال نظریات و مکاتب فکر کے فروغ کی وجہ سے فکری اور نظریاتی محاذ پر بہت نازک صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں اسلامی مملکت کی غیر معمولی توسیع کے باعث نت نئے مسائل پیدا ہورہے تھے جن کے فوری حل کی شدید ضرورت تھی اور یہ وسیع علم وبصیرت اور مزاج شریعت سے گہری واقفیت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ جن علماء اسلام نے وقت کی اس اہم ضرورت کو محسوس کیا اور اس میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں حسن بصریؒ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

عام طور پر حسن بصریؒ کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ بنیادی طور پر ان کا میدان کار زہد وتصوف تھا یہی وجہ ہے کہ ان کا علمی مقام و مرتبہ عموماً نظروں سے اوجھل رہ گیا۔ یوں تو ان کی علمی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا اور انھوں نے مختلف علوم وفنون میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کتاب میں ضروری حد تک حسن بصریؒ کی شخصیت کی ان جہات کا ذکر بھی کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ظاہر ہے یہ کتاب بنیادی طور پر ان کی تفسیری خدمات سے متعلق ہے۔ فن تفسیر میں ان کی خدمات ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تفسیری فکر کے اثرات بعد میں آنے والے مفسرین کے افکار و نظریات پر مسلسل اثر انداز ہوتے رہے۔ بدقسمتی سے یہ قیمتی مواد بے شمار مصادر اور

ماخذ میں بکھرا ہوا تھا۔ مصنف نے انھیں ایک جگہ جمع کر کے قرآنیات کے طلبہ کے لئے
ان کے افکار و نظریات سے واقفیت حاصل کرنا آسان بنا دیا ہے۔

کتاب پیش لفظ کلمات تشکر، مقدمہ، تمہید اور خاتمہ کے علاوہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کا عنوان "حسن بصری کی زندگی اور ان کا کارنامہ" ہے جو تین فصلوں پر مشتمل ہے جو بالترتیب حسن بصری کا زمانہ، حسن بصری کے حالات زندگی، حسن بصری کے شیوخ اور تلامذہ نیز ان کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی آراء، پر مشتمل ہے۔ دوسرا باب علم تفسیر میں حسن بصری کی تصانیف سے متعلق ہے اور اس میں تین فصلیں ہیں جو عہد حسن بصری تک علم تفسیر کی کیفیت، حسن بصری کا انتساب کس مکتبِ فکر کی طرف تھا اور حسن بصری کی تفسیر سے متعلق ہیں۔ تیسرا اور آخری باب تفسیر کے اندر حسن بصری کا منہج ہے۔ اور یہ باب چھ فصلوں پر مشتمل ہے جو بالترتیب تفسیر بالماثور پر حسن بصری کے اعتماد کی حد، حسن بصری کی تفسیر بالرای، مسائل کی تخریج و ترجیح کے سلسلہ میں حسن بصری کا طریق کار، ناسخ و منسوخ کے بارے میں حسن بصری کی رائے۔ قرأت کے بارے میں حسن بصری کا مسلک اور اسباب و مکان نزول کی طرف حسن بصری کی توجہ پر مشتمل ہے۔

Arabic Grammar and Quranic Exegesis in Early Islam

C H M Versteegh
Leiden, E J Brill
xi +230 pp ISBN 9004098453

یہ بات عام طور سے تسلیم کی جاتی ہے کہ زمانی ترتیب کے نقطۂ نظر سے قرآن مجید کی تفسیر نحوی مطالعات اور تحقیقات سے مقدم ہے۔ جب نحو کا فن ابھی باقاعدہ طور پر وجود میں بھی نہیں آیا تھا کئی اہم تفسیری کاوشیں منظر عام پر آچکی تھیں۔ ان تفسیروں میں اس قسم کی بے شمار مثالیں دستیاب ہیں جہاں کتاب اللہ کے متن کی توضیح و تشریح کے لئے اعلیٰ درجہ کے لسانیاتی تجزیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ ان تجزیوں کے دوران کئی ایسی اصطلاحات سے واسطہ پڑتا ہے جو بعض تصورات کی مکمل تعبیر ہوتی ہیں۔ مصنف نے بعض قدیم ترین تفسیروں کا مطالعہ اس مطمح نظر سے کیا کہ اس

ابتدائی عہد میں ان لسانی تصورات کی تشکیل کے عمل کا مطالعہ کرسکے۔ اس مطالعہ کے نتیجہ میں بعض حیرت انگیز حقائق کا انکشاف ہوا۔ بہت سے ایسے تصورات جن کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ وہ بیرونی مصادر سے ماخوذ و مستفاد ہیں وہ دراصل ان عرب مصادر سے ماخوذ ہیں جو ان مصنفین کی دسترس میں تھے۔ اس بات کے بھی قرائن موجود ہیں کہ یہ مصادر تحریری اور زبانی دونوں قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

عربی لسانیات کی ابتداء کا مسئلہ بہت متنازع فیہ ہے۔ اس غیر معمولی تنازع کا بنیادی سبب یہ ہے کہ سیبویہ (م ۱۷۷ھ/۷۹۳ء) کی شہرۂ آفاق کتاب "الکتاب" کو پڑھ کر قاری حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ بغیر کسی سابقہ روایت کے اتنا بڑا کارنامہ کیونکر ممکن ہو سکا۔ یہ ایک نہایت اعلیٰ ترتیب کی مظہر کتاب ہے جس میں پوری طرح تشکیل یافتہ لسانی تصورات اور اصطلاحات کا پورا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ اس غیر معمولی واقعہ کی دو ہی توجیہات کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا ماٰخذ کہیں بیرونی اثرات میں تلاش کیا جائے۔ یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ غیر معمولی تخلیقی صلاحیت کا ایک نادر الوجود مظہر ہے۔ عربی لسانیات کے آغاز کے باب میں بیرونی اثرات و ماٰخذ کی بات بار بار دہرائی گئی ہے اور مختلف علمی حلقوں کی طرف سے اس سلسلہ میں سریانی، یونانی، ہندوستانی اور بعض دوسرے ماٰخذ کی نشاندہی اور وکالت کی گئی ہے۔ مصنف نے ان تمام نقطہ ہائے نظر کا تجزیہ کیا ہے اور ان کی کمزوریوں اور خامیوں کا بھرپور طور پر احاطہ کیا ہے۔

کتاب کا چوتھا باب خاص طور سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں زیر بحث موضوع سے متعلق ابتدائی تفسیروں سے منتخب عبارتوں سے بحث کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے مجاہد (م ۱۰۴ھ/۷۲۲ء) سفیان ثوری (م ۱۷۱ھ/۷۷۸ء) محمد الکلبی (م ۱۴۶ھ/۷۶۳ء) اور مقاتل (م ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) کی تفسیروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان منتخب عبارتوں میں لغوی مسائل کی توضیح و تشریح کے ضمن میں بار بار اس قسم کے تصورات اور اصطلاحات سے واسطہ پڑتا ہے جن کے لسانیاتی مضمرات واضح ہیں۔ اس پس منظر میں یہ بات

بہت اہمیت کی حامل ہے کہ دوسرے مغربی مصنفین کے برخلاف جوان تفسیری کاوشوں کی قدامت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کو مستند تسلیم نہیں کرتے، مصنف ان کے استناد کا قائل ہے اور اس ضمن میں دلائل کا کسی قدر مفصل ذکر دوسرے باب میں کیا۔ اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ پہلے خود مصنف عربی لسانیات کے یونانی ماخذ کا قائل تھا۔

(اسلام اینڈ کرسچین مسلم ریلیشنز ۸/۱، مارچ ۱۹۹۷ء میں شائع شدہ تبصرہ پر مبنی)

قرآنیات پر نئے مضامین

میں نے قرآن کو کیسے پایا؟ سید قطب شہید، ترجمان القرآن ۱۲۲/۷، جولائی ۱۹۹۶ء ص ۱۹-۲۸۔

تصاویر قرآنی۔ حوادث کی منظر کشی۔ سید قطب شہید، ترجمان القرآن ۱۲۲/۱، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۵-۲۴۔

قرآن مجید کی سائنسی اہمیت پر ایک نظر۔ محمد شہاب الدین ندوی، معارف ۱۵۹/۱، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۵-۲۵

تورات وانجیل کی دو بشارتیں۔ حبیب ریحان ندوی، معارف ۱۵۹/۲، ۳ فروری و مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۸۵-۱۱۵، ۱۶۵-۱۹۹

منصب خلافت وخلفاء راشدین (قرآن وحدیث کی روشنی میں) محمد برہان الدین سنبھلی، الفرقان ۶۴/۸، ۹، اگست وستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۲۵-۲۹، ۳۲-۴۱

تفسیر "تفہیم القرآن" کی عام امتیازی خصوصیات۔ سید حامد عبدالرحمن الکاف، زندگی نو ۲۲/۱۰، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۶-۲۶

رسالہ "مسائل فی معرفۃ اللہ" للغزالی۔ محمد الغزالی، فکر ونظر (اسلام آباد) ۳۲/۴ اپریل۔ جون ۱۹۹۶ء، ص ۵۹-۸۲

اختلافات قراءات قرآنیہ اور مستشرقین۔ اکرم چودھری (ترجمہ: علی اصغر سلیمی)

فکر ونظر (اسلام آباد) ۳۴/۳/۲. جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء ص ۵۵ - ۸۲

"مصدقا لما بین یدیہ" کی صحیح تاویل۔ بدر الدین اصلاحی، عالم اسلام اور عیسائیت ۷/۱ جنوری ۱۹۹۷ء ص ۵ - ۱۶۔

انجیلوں میں آسمانی بادشاہت کا مفہوم۔ خالد مسعود، تدبر، شمارہ ۵۴ ستمبر ۱۹۹۶ء ص ۴۳-۴۸

قرآن کریم اور عبادت گاہوں کا تحفظ۔ اخلاق حسین قاسمی، حکمۃ قرآن ۱۶/۳ مارچ ۱۹۹۷ء، ص ۲۹ - ۳۶

معوذتین پر مستشرقین کے اعتراضات۔ محمد عمر، الحق ۳۲/۴ جنوری۔ فروری ۱۹۹۷ء، ص ۱۵-۲۲۔

تدبر قرآن میں سورتوں کے گروپ کا ایک جائزہ۔ ابو سفیان اصلاحی، فکر و نظر (علی گڑھ) ۳۴/۲/۳ ۱۹۹۷ء ص ۴۲ - ۵۲

تفسیر آیات صیام۔ حبیب الرحمٰن قاسمی، دار العلوم ۸۲/۱ جنوری ۱۹۹۷ء ص ۱۱-۱۸۔

نصاری اور قرآن۔ رضی الاسلام ندوی، تحقیقات اسلامی ۱۵/۴، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۶۷-۹۵

تفسیر خازن اور اسرائیلی روایات۔ عبادہ بن ایوب الکبیسی، ترجمہ الطاف احمد مالانی تحقیقات اسلامی ۱۶/۱ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء ص ۸۹ - ۱۱۲

قرآن مجید کا اہل کتاب سے خطاب۔ سید جلال الدین عمری، تحقیقات اسلامی، ۱۶/۲، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء ص ۵ - ۱۵

تفسیر نسفی۔ ایک تحقیقی مطالعہ کبیر احمد جائسی، تحقیقات اسلامی ۱۶/۲، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء ص ۱۹-۲۳

قرآن وسنت میں انسانی حقوق۔ توقیر عالم فلاحی، زندگی نو، ۲۳/۱ جنوری ۱۹۹۷ء ص ۹ - ۱۷

قرآن وسنت میں عقیدۂ آخرت۔ توقیر عالم فلاحی، زندگی نو ۲۳/۵ مئی ۱۹۹۷ء ص ۲۸ - ۳۷

قرآن کے حروف سبعہ، مناع القطان، تلخیص وترجمہ محمد شہاب الدین کاشف القاسمی، زندگی نو ۲۳/۷ جولائی ۱۹۹۷ء، ۲۰ - ۲۵۔

آیت "فقال انی سقیم" کی صحیح تاویل۔ عبد الرحمٰن الکاف، زندگی نو ۲۳/۷ جولائی ۱۹۹۷ء ص ۶۵ - ۶۹ -

⁂ ⁂ ⁂

القرآن الکریم فی الوجهة العلمیة۔ نظرة عابرة علی صفات اللّٰہ تعالیٰ فی الکون" محمد شہاب الدین الندوی، البعث الاسلامی، ۵/۴۲ مایو-یونیو ۱۹۹۶ء، ص ۵۷-۶۲

العلامة المہائمی وتفسیرہ تبصیر الرحمن وتیسیر المنان" محمد ہارون العزیزی الندوی، البعث الاسلامی، ۸/۴۲ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۸۰-۸۶۔

دراسة الکتب السماویة والعلامة حمید الدین، محمد افضل الاصلاحی البعث الاسلامی، ۱۰/۴۲، نومبر-دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۹-۴۷

عناصر الاسلوب القرآنی ومقوماته، عبد الماجد الکشمیری الندوی البعث الاسلامی، ۱۰/۴۲، نومبر-دسمبر ۱۹۹۶ء، ص ۶۱-۷۱

العسل ومنافعه فی ضوء القرآن الکریم وتجارب الاطباء، لطف الحق الشمسی، صوت الا مة، ۳/۲۹، مارس وابریل ۱۹۹۶ء، ص ۴۳-۵۵، ۶۰-۶۳

تفسیر الشیخ ابی الکلام آزاد، توقیر عالم الفلاحی، صوت الامة ۷/۲۹، یولیو ۱۹۹۶ء، ص ۴۷-۵۸

Foundations for Communication in the Qur'an and *Sunnah*, Ali S Shaukat, *The American Journal of Social Sciences*. 13/2, 1996, pp. 225-45

An Exploration into the Nature of the Making of Human and Artificial Intelligence and the Quranic Perspective, Mahmoud Dhaoudai, *Journal of Islamic Science*, 12/1, Jan-June, 1996, pp 11-26

The Qur an and *Riba*, Sayyid Tahir. *The Quranic Horizons* 1/2, Apr -June, 1996 pp 30-56

Evolution of Man Quranic Concepts and Scientific Theories. Shah Manzoor Alam, *Muslim & Arab Perspective*, 3/7-12, 1996. pp 388-403

Divine Revelation and the Status of the Qur'an, John Sahadat. *Muslim Education Quarterly*, 13/4. 1996, pp 4-17

Hermeneutics of Al-Baydawi in His Anwar-al Tanzil wa Asrar al Tawil Yusuf Rahman. *Islamic Culture*, 71/1, January. 1997 pp 1-14

خبر نامہ

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی وفات پر ادارہ علوم القرآن میں تعزیتی نشست

ادارہ

علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے عظیم فرزند، ممتاز مفسر اور صاحبِ تدبرِ قرآن حضرت مولانا امین احسن اصلاحی ۱۵ر دسمبر ۱۹۹۷ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

انتقال کی خبر ملنے پر ادارہ علوم القرآن (سر سید نگر، علی گڑھ) کے زیرِ اہتمام ۱۸ر دسمبر ۹۷ء کو ایک تعزیتی نشست زیرِ صدارت پروفیسر اشتیاق احمد صاحب (مولانا مرحوم کے بھتیجے) منعقد ہوئی جس میں ادارہ کے متعلقین کے علاوہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ وطلبہ شریک ہوئے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، ریڈر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی نے ابتدائی کلمات کے طور پر مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر روشنی ڈالی اور ان کی قرآنی خدمات کا جائزہ لیا۔ آپ نے فرمایا "مولانا کا انتقال نہ صرف ان کے اعزہ واقربا، متعلقین مدرسۃ الاصلاح اور وابستگانِ تحریکِ اسلامی کے لئے بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا نے پورے ۷۵ سال تک قرآنی علوم اور تحریکِ اسلامی کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے، مولانا فراہیؒ کے انتقال کے بعد اُن کے تشکیل کردہ خطوط پر مولانا مدرسہ کی ترقی کے لئے کوشاں رہے اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ اس فکر کی توسیع واشاعت کے لئے تمام ممکنہ ذرائع استعمال کئے۔ مولانا فراہیؒ کے تفسیری اجزاء کے ترجمے، الاصلاح کی ادارت، دائرہ حمیدیہ کی علمی سرگرمیاں، تحریکِ اسلامی کی قیادت اور اس کے علاوہ بھی مولانا نے بہت سی علمی ودینی خدمات انجام دیں۔ قرآن مجید

حدیث، فقہ، تاریخِ اسلامی، اسلامی ریاست اور ان کے علاوہ دوسرے موضوعات پر نہایت وقیع کتابیں لکھیں۔ درس وتدریس، مذاکرہ ومباحثہ، تحقیق وتصنیف غرض کہ ہر ممکن ذریعے سے قرآنی فکر کو عام کرنے کی کوشش کی۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن سے وابستگی، قرآنی علوم سے لگاؤ، قرآنی فکر کو پروان چڑھانے کا بے پناہ جذبہ مولانا کی ذات کا خاصہ تھا۔ ان کی یہ قرآنی خدمات ہمارے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی لکچرر شعبۂ عربی، جنھوں نے متعدد بار پاکستان کا سفر کیا ہے اور مولانا سے ملاقات وگفتگو کا شرف بھی اُن کو حاصل رہا ہے اور اس بنا پر یہ بات فطری ہے کہ ان کے اوپر اس سانحہ کا اثر زیادہ تھا۔ اس لئے وہ کچھ زیادہ گفتگو نہ کرسکے۔ البتہ آپ نے مولانا سے اپنی ملاقات کے حوالہ سے چند واقعات کا بطورِ خاص ذکر کیا جن سے مولانا کی وسیع الجہات شخصیت کے کئی نمایاں گوشے ابھر کر سامنے آئے۔ آپ نے کہا کہ آخر وقت میں مولانا مرحوم اپنے وطن اعظم گڑھ آنے کے لئے بہت مضطرب اور بے چین رہا کرتے تھے اور مدرسۃ الاصلاح آنے کا ہر وقت خواب دیکھا کرتے تھے، مولانا کی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح مدرسۃ الاصلاح پہنچ جائیں۔ مدرسہ اور متعلقین مدرسہ کا ذکر ہوتا تو مولانا آبدیدہ ہوجاتے۔ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی ریڈر شعبۂ معاشیات نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے دو عظیم شخصیتوں سے ملنے کی بڑی خواہش تھی ایک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور دوسرے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی ذات گرامی تھی۔ مولانا مودودیؒ سے ملنے بفیلو (امریکہ) جانا ہوا مگر اس وقت مولانا مودودیؒ بیمار تھے اور ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ البتہ دو سال قبل پاکستان کے ایک سفر میں مولانا اصلاحیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مگر اس وقت جب مولانا بالکل معذور ہوچکے تھے مولانا نے پاکستان میں قرآن فہمی اور فکر فراہی کا ایک بڑا حلقہ قائم کیا ہے اور متعدد ادارے اس فکر کو پروان چڑھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صدر ادارہ علوم القرآن اور مدیر مجلہ علوم القرآن نے بھی مولانا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا آج ہمارے سر سے ایک سایہ تھا جو اٹھ گیا اور ہم اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کررہے

ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مدرسۃ الاصلاح کو ایک علمی مرکز کی حیثیت دینا، وہاں علمی مزاج پیدا کرنا، باصلاحیت شاگردوں کا ایک حلقہ قائم کرنا جو اس فکر اور اس کام کو آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتے تھے، مولاناؒ کا ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔ اور مدرسۃ الاصلاح کے مخصوص مزاج کی تشکیل و تعمیر میں ان کا بڑا اہم حصہ ہے۔ اس کے علاوہ مولانا اپنے زمانہ کے بہت بلند پایہ خطیب و مقرر اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ مدرسۃ الاصلاح کے اطراف میں اصلاحِ معاشرہ کی جو تحریک چل رہی تھی اس میں مولانا کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی رکن ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی گڑھ نے فرمایا کہ مولاناؒ نے قرآنی علوم کی یکہ و تنہا جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ ایک شخص کا نہیں، ایک اکیڈمی کا کام ہے۔ مولانا کا کام بہت ہی منظم اور اوریجنل ہے۔ مولانا ایک عظیم مفکر اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ مولانا کے کارنامے ہمہ جہت ہیں، مترجم، مفسر، خطیب، ادیب اور بے شمار دوسرے کمالات اُن کی ذاتِ گرامی میں جمع تھے۔ اللہ نے اُن کو توفیق دی کہ انھوں نے تاحیات ان صلاحیتوں کو اللہ ہی کی راہ میں کھپا دیا۔ اُن کا حق ہے کہ آئندہ اُن کی شخصیت اور خدمات پر ریسرچ و تحقیق کا کام ہو اور ان کے منصوبوں کو آگے بڑھایا جائے جو ان کو زندگی بھر عزیز رہے۔ تدبرِ قرآن ان کی شاہکار تفسیر ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے تدبرِ قرآن کا کام ساٹھ سال کی عمر میں اس وقت شروع کیا جب کہ عام لوگ اس عمر میں تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ مولانا ہی کا عزم اور حوصلہ تھا کہ اس کو مکمل کر کے اپنے استاذ کا حق ادا کر دیا۔ عز و جاہ اور مالی منفعت سے بیزار ہو کر انھوں نے جو کام انجام دیا ہے، وہ لائق تقلید اور قابلِ رشک ہے۔ مولانا کے اس مشن کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اصلاحی برادری پر عائد ہوتی ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی شعبہ اسلامیات نے اپنے خیالا کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا جیسی شخصیتیں، خاندان، وطن، ادارے او رشتوں ناتوں سے بالا ہوا کرتی ہیں۔ مولانا مرحوم پوری انسانیت اور پوری کائنات کی میراث ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اپنی حالیہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے

ہوئے کہا کہ مجھے فخر ہے کہ مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ستّر برس سے زیادہ تصنیف و تالیف کا کام کرنا خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ پاکستان میں مولانا نے متعدد قرآنی حلقے قائم کئے اور پیغامِ ربانی کو ہر خاص و عام تک پہنچایا پاکستان کے خواص و عوام کا ایک بہت بڑا حلقہ مولانا کے عقیدت مندوں میں شامل ہے۔ شائقین کی ایک بڑی تعداد ان کے درس قرآن میں شریک ہوتی تھی اور اس کے ذریعہ انھوں نے کئی نسلوں کو متاثر اور قرآن مجید کے فہم و تدبر کی طرف مائل کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی نے بھی اپنے احساسات و جذبات کا اظہار کیا اور بالخصوص تحریک اسلامی کے حوالہ سے ان کی خدمات کے بعض پہلوؤں کو واضح کیا۔ آخر میں مولانا عمید الاسلام قاسمی صاحب نے جو مولانا مرحوم سے بہت تعلق خاطر رکھتے ہیں اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور انھیں کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔ یہ نشست بعد عصر سے عشاء کے قریب تک چلتی رہی۔ درمیان میں نماز مغرب کے لئے وقفہ رہا۔ ادارہ علوم القرآن کی جانب سے اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ انشاء اللہ مولاناؒ کے مشن کو جاری و باقی رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ علوم القرآن کا آئندہ شمارہ انشاء اللہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نمبر کے طور پر شائع کیا جائے گا۔ صدر ادارہ نے یہ امید ظاہر کی کہ اہل علم بالخصوص قرآنیات سے دل چسپی رکھنے والے اس عظیم منصوبہ کی تکمیل میں اپنا تعاون پیش کریں گے۔

(ترتیب: اشہد رفیق ندوی، سکندر علی اصلاحی)

—
int
Ja

Kalam Azad. The place of pride in this discussion has been naturally given to Maulana Hamiduddin Farahi. Then the author has also surveyed the history of opposition of this idea and had taken note of the opinions of some of the more eminent scholars who reject the existence of *nazm* in the Qur'an. He has undertaken to analyse the basic objections of these scholars and has successfully demonstrated that their objections do not carry much weight and conviction and are not based on firm evidence. He has shown by citing examples that even some of those who are stridently opposed to this concept and had gone to the extent of ridiculing those who subscribe to this idea. have themselves, on many occasions taken recourse to it to explain some verses.

EXEGETICAL IDEAS OF IMAM IBN TAIMIYAH AND SHAH WALIULLAH-A COMPARATIVE STUDY

Mohammad Saud Alam Qasimi

The two distinguished Islamic thinkers and reformers, Shaikhul Islam Ibn Taimiyah (1263-1328) and Shah Waliullah Dehlavi (1703-1763) belong to two different periods, different countries and entirely different social and political milieu but there are striking similarities in their thought and the conditions in which they worked as also the challenges they had to face. Both of them emphasized the need to make the Holy Qur'an the basis of the organisations of both individual and social life of the Muslims Both of them were fired with the zeal to serve Islam to the best of their abilities and both of them had to face stiff opposition from misguided sufis and narrow-minded *Ulama*. Both of them succeeded in attracting a group of extremely talented and capable scholars and trained them to carry on their mission after them. But in spite of these and other similarities in their thought and situation, there are many points of difference in their ideas and methodology of *tafsir*. The author seeks to study their exegetical principles and attempts a critical analysis of their respective methodologies.

Bibliography of Quranic Publications in Urdu

Abu Sufyan Islahi

This is sixth instalment of the Bibliography of Urdu Publications in the field of Quranic Studies and covers the following themes : Qur'an and *dua*, Qur'an and other Revealed Books, Qur'an and Arabic literature, Qur'an and critics, Qur'an, Science and modern learning.

disjointed pieces fall in a neat order making it a fully coherent, compact and well-connected beautiful whole.

NAZM-I QUR'AN

Altaf Ahmad Azami

The problem of *nazm* (Coherence) in the Holy Qur'an has attracted the attention of many scholars. The Orientalists have particularly criticized the Qur'an as a totally incoherent book without any semblance of thematic arrangement and logic in it. Even those western scholars who are considered sympathetic towards Islam, have also not spared it on this point. Expression of such uncharitable opinions from the orientalists is understandable because they do not accept it as a divine book and are influenced by partisan feelings. But it defies comprehension when we come across such opinions expressed by Muslim scholars who believe that since Qur'an was revealed piecemeal at different times and under different conditions, it could not possibly contain any thematic arrangement or coherence. According to them it is like an ocean full of precious pearls lying in a disorderly manner. In this context, the author examines opinions of some eminent scholars who deny the possibility of *nazm* in the Holy Qur'an and comes to the conclusion that these opinions are not tenable and can not be substantiated. Then he sets out to establish the existence of *nazm* in the light of literary characteristics and peculiarities of the Qur'an. In the last part of the paper, as a proof of his contention, he makes an analytical study of *surah Fatiha*, *Surah Baqarah*, *Surah Ikhlas* and *Muawwizatain* (the last two *surahs*) and after a detailed and cogent discussion, establishes the fact that these *surahs* are fully coherent and very closely connected not only within their own different sections and *ayats* but with other *surahs* as well.

Significance of *Nazm* in Understanding the Holy Qur'an

Muhammad Umar Aslam Islahi

After a brief discussion about the definition of *nazm* and its significance in understanding the Holy Qur'an, the author had carried out a survey of the prominent scholars down the centuries who subscribe to the concept of *nazm* (Coherence). He has brought this survey to Maulana Amin Ahsan Islahi whose contributions in this field are too well-known. Among other scholars of modern times are included Maulana Ashraf Ali Thanvi, Maulana Sanaullah Amritsari, Saiyid Qutb, Maulana Maududi and Maulana Abul

ABSTRACT

USAGE OF *AL-KITAB* AND *AL-QUR'AN* IN THE HOLY QUR'AN AS TECHNICAL TERMS

Audah Abu Audah

Trans ***Masudur Rahman Khan Nadvi***

The question of the existence of synonymity (*taraduf*) in the Arabic language has been much debated. Many scholars have altogether denied it and more particularly rejected its possibility in the Holy Qur'an. The author belongs to this group of scholars and asserts that the Qur'an is totally free from synonyms (*mutaradif*). It is in this background that he seeks to study the differences in the meaning and connotation of two technical terms *al-kitab* and *al-Qur'an* used in the Holy Book. Some scholars tend to consider these terms as synonymous. The author sets out to prove his thesis in a very methodical way and discusses at length the different meanings in which these words are used. He profusely quotes from the Holy Qur'an in support of his contention and succeeds in establishing the fact that these two terms are not synonyms and are used in totally different connotations. He concludes that the Holy Qur'an does not contain synonyms and each and every word used in the Holy Book has its own particular meaning which differentiates and distinguishes it from other apparently similar words.

SOME IMPORTANT SUGGESTIONS FOR DISCOVERING *NAZM* IN THE HOLY QUR'AN

Hamiduddin Farahi

Compiled and Translated by **Khalid Masud**

This brief but very illuminating piece has been reconstructed by Mr. Khalid Masud from the scattered notes of Maulana Hamiduddin Farahi. It seeks to bring to the notice of readers some very important points which are of immense help in discovering *nazm* (coherence) in the Holy Qur'an. These points mostly remain hidden in the context and style of the Qur'an and become clear to only those who contemplate and reflect over it. Generally, the *nazm* is clear but there are places where it gets difficult to discover it and it would seem that the course of the discussion and flow of the style had taken a sudden turn apparently making it incoherent. These occasions require deep reflection and only after prolonged contemplation the *nazm* becomes manifest and all the seemingly

CONTRIBUTORS TO THIS ISSUE

Dr. Zafarul Islam Islahi,
Secretary, Idarah Uloom al Qur'an and Reader, Department of Islami Studies, A.M.U. Aligarh.

Mr. Audah Abu Audah
Well-Known Scholar

Professor Masudur Rahman Khan Nadvi
Department of West Asian Studies, A.M.U. Aligarh.

Mr. Khalid Masud,
Editor, Tadabbur, Lahore

Hakim Altaf Ahmad Azami,
Head, Department of History of Science and Medicine, Jamia Hamdard, New Delhi.

Maulana Muhammad Umar Aslam Islahi
Teacher, Madrasatul Islah, Sarai Mir, Azamgarh.

Maulana Muhammad Saud Alam Qasimi
Nazim, Diniyat-i Sunni, A.M.U. Aligarh.

Dr. Abu Sufyan Islahi
Lecturer, Department of Arabic, A.M.U. Aligarh

Bi-annual 'ULOOM AL QUR'AN, Aligarh

Vol. 11 **Jan. - Dec. 1996** **No. 1&2**

CONTENTS

Editor : DR. ISHTIYAQ AHMAD ZILLI
Joint Editor : DR. ZAFARUL ISLAM ISLAHI

SUBSCRIPTION

Country	1-Year	2-Years	3-Years	5-Years
India	Rs. 40/-	Rs. 75/-	Rs. 110/-	Rs. 175
Pakistan & Bangladesh	Rs. 65/-	Rs. 125/-	Rs.180/-	Rs. 300
Other Countries	US $ 15	US $ 28	US $ 40	US $ 6

The contents appearing in
his publication are indexed by

PERIODICA
ISLAMICA

For further information, please contact:
Dr. Munawar A.Anees, Editor-in-Chief, Periodica Islamica

BERITA PUBLISHING

22 Jalan Liku, 59100 Kuala Lumpur, Malaysia
Tel (+60-3)282-5286 Fax (+60-3)282-1605

Printed & Published by : Sultan Ahmad Islahi
at Jamal Printing Press, Delhi. For IDARAH ULOOM-AL-QUR'AN, Aligarh.

A Bi-annual Journal of Quranic Studies

'ULOOM AL-QUR'AN

